نمبر ۱۰۶
تذکرہ عام اردو

حصہ دوم

علماء ہند کی شاندار ماضی

سیرت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب
و
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب
قدس اللہ سرہما

از
محمد میاں ناظم علماء صوبہ آگرہ

آنے والے
انقلاب کی تصویر
چراغ انقلاب
جس میں مندرجہ ذیل عنوانات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے - سائنس جدید
اور تباہی عالم - اقتصادی مشکلات - بڑھتا ہوا افلاس - یورپ کے پاس دولت کہاں
سے آئی - عروج یورپ کا اثر اسلامی ممالک پر - یورپ اور مسلمانوں کی موجودہ حالت
کمیونزم - سوشلزم وغیرہ کی تشریح - اقتدار مسلم - اور اشتراکیت - آزاد ہندوستان
کی حیثیت - آزادی ہند کے بعد علماء ہند اور ذوق انقلاب - ہم ہندوستان میں
کیا چاہتے ہیں - ہندوستان سے افلاس کس طرح دور کیا جا سکتا ہے - کانگرس
کے اساسی اصول - ہندوستان کے مدبرین - سرکاری ملازمتیں اسمبلی کی
نشستیں وغیرہ وغیرہ مضامین پر ۸۴ صفحات کا رسالہ کیا ہے گویا ہندوستان
کے دریائے سیاست کو ایک کوزہ میں بند کر دیا ہے - قیمت صرف ۲/
اصلاح الرسوم (مؤلفہ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب)
یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے، ہر ایک مسلمان کے لئے اسکا مطالعہ بہت ضروری
ہے عمل و خیال کی اصلاح کے لئے بہترین کتاب ہے بعض بعض الفاظ کے اغلاق
کی شکایت تھی - کتب خانہ فخریہ نے اسکو حل لغات اور حاشیہ کیساتھ طبع کرایا ہے
ضخامت پہلے سے بڑھ گئی ہے مگر قیمت وہی ۸/ ہے - کتبخانہ فخریہ امروہیہ گیٹ مرادآباد

نحمدہٗ و نصلّی — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — علیٰ رسولہ الکریم

رَبِّ یَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْر

مقدمہ

اسلام اور تمدّن

عبادت، معاشرت۔ اقتصاد، اور سیاست بظاہر مختلف چیزیں ہیں، دنیا نے رہبانیت۔ ربّانیت۔ جوگ۔ یا ترک دنیا کی عجیب عجیب صورتیں ایجاد کر کے ان چیزوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا تھا۔ عبادت کا سب سے اونچا درجہ "بن باسی۔ گوشہ نشینی۔ عزلت گزینی قرار دیا جاتا تھا"۔

چشم دنیا نے اُن راہبوں کو بھی دیکھا ہے جو پہاڑ کی چوٹیوں سے بھی کچھ اور بلند ہو کر مینارے بنواتے تھے۔ اور دنیا کے تمام قصوں سے الگ ہو کر اُن میناروں پر قیام کرتے تھے۔ اس قطع تعلق کا اونچا درجہ یہ تھا کہ آدمی کی صورت سے بھی نفرت کرنے لگیں ان کے خاص خدام بھی اُن تک نہ پہنچ سکیں۔ کھانا پانی بھی بانس کی نوک میں باندھ کر اُن کے پاس ڈال دیا جائے [۱]

[۱] تاریخ الواقدی۔

برادران وطن آج بھی اُن جوگیوں پر فخر کرتے ہیں۔ جو خدا کی دی ہوئی قوتِ گویائی کو ہمیشہ کے لئے مقفّل کر دیتے تھے۔ یا دُونوں ہاتھ اُوپر کو رکھ کر انہیں شل کر دیتے تھے۔ یا درختوں پر الٹے لٹکے رہتے تھے یا نگاہیں آفتاب پر جما کر ٹکٹکی لگائے ہوئے اُسی کو دیکھتے رہتے تھے۔ یا رات بھر ایک ٹانگ سے کھڑے رہتے تھے
تمدن و ترقی کے اس دَورِ شباب یعنی اپریل ۱۹۳۸ء میں اخبارات میں پڑھا گیا تھا کہ میلۂ کُمبھ کے موقع پر "ہردوار" کے کسی غار میں ایک سوامی جی" درجان تھے۔ جو تمام بدن پر پاخانہ ملے رکھتے تھے۔ یہی آپ کی غذا بھی تھی۔ اس سے زیادہ عجیب یہ کہ اُن کو مہاتما کہا جاتا تھا۔

مگر کیا کسی آسمانی مذہب کی تعلیم یہی ہوسکتی ہے۔ ہرگز نہیں! ارشادِ ربانی تو یہ ہے وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ۔ سورۂ حدید۔ ع۴ پ۲۷ } ایک ترک دنیا جو انہوں نے خود ایجاد کی تھی۔ ہم نے اُن پر نہ لکھی تھی۔

آپ کائنات عالم کے نظام پر نظر ڈالئے۔ گرد و پیش کے ہر ایک منظر کو دیکھئے آپ کو ہر ایک چیز میں حُسن قدرت کے ہزاروں جلوے نظر آئیں گے کائنات کے ہر گوشہ سے زیبائش اور تعمیر کی لاتعداد تصویریں دکھائی دیںگی

اندھیری رات کی دہشتناک تاریکی میں تاروں کی جگمگاہٹ کو دیکھو چاندنی رات کی نورانی چاندنی میں زمین آسمان، سمندروں اور پہاڑوں پر نظر ڈالو۔ صبح و شام کے سہانے وقت میں گل و غنچہ، سبزہ زار اور گلشن و چمنستان کی سیر کرو، دوپہر کے روشن وقت میں بازاروں، کارخانوں کی

؎ سیر المتاخرین۔ جلد ۱

چہل پہل کو ملاحظہ کرو، کیا ہر جگہ زینت تعمیر اور آبادی نظر نہ آئے گی ؟ ؟

ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت فارجع البصر هل تری من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئاً وهو حسیر
سورۂ ملک ۱۶ پ ۲۹

کیا تم رحمٰن کی بنائی ہوئی مخلوق میں کچھ فرق دیکھتے ہو دوبارہ نظر ڈالو کہیں کوئی شکستگی نظر آتی ہے پھر دیکھو۔ بار بار دیکھو۔ تمہاری نگاہ ذلیل ہو کر تھک کر واپس ہوگی۔ ؟ ؟ ؟
سورۂ ملک ۱۶ پ ۲۹

کائنات ارضی کی یہ ساری زیب و زینت۔ آبادی اور دلکشی۔ رونق اور بہار کس کے لئے ہے ؟ صرف انسان کے فائدے کے لئے:-

جعل لکم الارض فراشاً۔ والسماء بناءً وانزل من السماء ماءً فاخرج به من الثمرات رزقاً لکم۔ پ ۱ ۳۶ سورۂ بقرہ

بنا دیا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے پھل پیدا کئے جو تمہارے لئے رزق ہیں۔ پ ۱ ۳۶ سورہ بقرہ

سخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنهار وآتاکم من کل ما سألتموه وان تعدوا نعمت الله لا تحصوها۔ پ ۱۳ ۵۶ سورۂ ابراہیم

اور تمہارے کام میں لگا دئے سورج اور چاند ایک دستور پر اور تمہارے کام میں لگا دئے رات اور دن اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگا۔ اور اگر تم خداوند عالم کے احسان گنو تو نہ پورے کر سکو

سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعاً منه ۲۶ سورۂ جاثیہ پ ۲۵

تمہارے کام میں لگا دیا ان تمام چیزوں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔ سورۂ جاثیہ

اَب تم ہی بتاؤ کہ وہ خالق کائنات جس نے اس تمام عالم کو انسان کے لئے مزین اور معمور کیا۔ کیا اس کی مرضی یہ ہوگی کہ خود انسان ویران اور برباد رہے قدرت کے بے نظیر اور بے مثال گلکاریوں سے منہ موڑ کر کسی غار کو اپنا نشیمن بنالے۔ اس کا بسر گھاس کی جڑی بوٹیوں پر ہو۔ اور وہ لاتعداد نعمتیں جن کے بیش بہا خزانے بطن زمین صرف اسی کے لئے پُر کئے گئے ہیں اُسی طرح مقفل رہیں انسان اتنا بھی نہ کر سکے کہ ان کی کنجیاں ہی تلاش کرلے :۔

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق ؏۱
قل ھی للذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا۔ خالصۃً یوم القیامۃ
پ ۶ ۱۰ سورۂ اعراف۔

آپ فرمائے کہ اللہ کی رونق جو کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور کھانے پہننے کی پاکیزہ چیزیں کس نے حرام کی ہیں۔ آپ بتا دیجئے کہ وہ دنیاوی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں اس طرح کہ ان کے لئے ہی مخصوص ہیں قیامت کے دن

بہرحال وہ رہبانیت اور ترک دنیا جو تخریب و بربادی کا ہیولیٰ دنیا کے سامنے پیش کرے جس کی بنا پر خلیفہ اللہ یعنی حضرت آدم علیہ السلام، کی اولاد کی حدود خلافت پہاڑوں کی گھاٹیوں یا جنگلات کی جھاڑیوں میں گم ہو جائیں کبھی بھی اس ربّ العالمین کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہو سکتی۔ جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو شرف خلافت سے نوازا۔ تمام چیزوں کے نام بتا کر اور عقل و ادراک کی قوت عطا فرما کر فرشتوں پر برتری بخشی :۔

؏۱ از ملابس و تاکل ؒ مرہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ،،

ارتقائی مدارج اور اسلام ہاں یہ درست ہے کہ انسان دنیا میں آیا تو اس صورت سے کہ وہ برہنہ تھا۔ اور اس کے پاس رہنے کے لئے مکانات نہ تھے کھانے کے لئے زمین کی قدرتی پیداوار کے سوا اُس کے پاس کچھ نہ تھا۔ تحفظ یا مدافعت کے آلات سے بھی وہ تہی دست تھا۔ ان تمام چیزوں کے بدلے میں قدرت نے اس کو دو چیزیں عطا فرمائی تھیں۔ عقل اور الہام، الہام نے اس کو اصول کی تعلیم دی۔ عقل ان اصول کو ضرورت کے بموجب پھیلاتی رہی اور اس طرح اس نے ارتقائی مدارج طے کئے۔ مثلاً ارشاد الٰہی ہے۔

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ۔ ۲۶ سورۂ اعراف	اے اولاد آدم ہم نے تم پر لباس نازل کیا تاکہ تمہارے عیب (ستر ڈھانپے) اور تمہارے لئے زینت بنے اور[عہ] پرہیزگاری کے کپڑے وہی سب سے بہتر ہیں۔ یہ قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں کہ شاید وہ لوگ دھیان کریں
وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنتُمْ لَهُ شَاكِرُونَ۔ پ ۱۷ ع ۹۶	ہم نے داؤد علیہ السلام کو "صنعت[عہ] پوشش سکھادی تاکہ تم کو خطرات سے محفوظ رکھ سکے تو کیا تم کچھ شکر کرتے ہو۔

تاریخ شاہد ہے۔ کہ ایک طویل زمانہ اولاد آدم پر ایسا گذرا کہ اس کی وقفیت محدود تھی اور اس کی استعداد بہت ناقص۔ تو کیا اسی نقصان عقل واستعداد کی حالت میں اس کو وہ مکمل تعلیم دیدی جاتی جو اس کی فہم سے

عہ غالباً اس آیۃ کے بعد یہ اعتراض تو نہ کیا جائیگا کہ اسلام کو لباس سے کیا واسطہ ۱۲۔
عہ یعنی زرہ بنانی سکھائی۔ ۱۲ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ۔

بہت بالا تھی اور جس کی عملی تکمیل اُس کی قدرت سے خارج تھی۔؟ ہرگز نہیں
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا خداوند عالم مکلف کو صرف اتنی ہی
سورۂ بقرہ۔ ۲۰۶ ——— تکلیف دیتا ہے جتنی وہ برداشت کرسکے

قدرت الٰہی اگرچہ غیر محدود ہے وہ جسوقت جوچاہے کرسکتی ہے۔ مگر عادت یہی ہے کہ استعداد اور اقتضار کے بموجب فیضان ہوتا ہے اور اسی کے بموجب احکام کا مکلف بھی کہا جاتا ہے۔ بارش جب ہی ہوتی ہے کہ جب زمین کا جگر خشکی سے تڑخنے لگے۔ موسم ربیع اسی وقت آتی ہے جبکہ انسان اپنی غذا کے لئے بیقرار ہوجائے۔ شب کی سکون بخش تاریکی اُسی وقت پر پھیلاتی ہے کہ جب انسان کام کی مشقت سے تھک کر آرام کا خواہاں ہو۔ آفتاب کی سنہری کرنیں اُفق کی پیشانی پر اُسی وقت ضیا پاش ہوتی ہیں جب کہ انسان اپنی مقررہ راحت وآرام سے فارغ ہوکر عمل کے لئے نور کا طالب ہو۔ پستان مادر میں دُودھ اُسی وقت پیدا کیا جاتا ہے جب "جنین" قید بطن سے آزادی کے لئے مضطرب ہونے لگے۔ شیر خوار بچے کو کھانے کی رغبت اسی وقت ہوتی ہے۔ جب کہ قدرت اس کے ہضم کا سامان اس کے لئے مہیا کردے۔ احکام الٰہی کی ذمہ داری اُسی وقت عائد ہوتی ہے کہ جب ان کی ادائیگی کا شعور حاصل ہوجائے۔ ! کیا کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ؟

لن تجد لسنۃ اللّٰہ تبدیلا تم اللہ کے طریقہ میں تبدیلی نہیں پاسکتے

ٹھیک اسی طرح فطرت نے ازل ہی سے ایک وقت مقرر کردیا تھا۔ کہ جب انسان اپنی جہالت کے مختلف درجات سے گذر کر ایک علم کامل کا خواہاں

ہوگا۔ ارسطو۔ جالینوس اور بقراط وسقراط کی حکیمانہ مُوشگافیوں سے بیچین
ہوکر ایک صاف اور واضح راستہ کے لئے آرزو مند ہوگا۔ شخصی اغراض
اور انفرادی زندگی سے گذر کردہ اجتماعی مقاصد کا خواہاں ہوگا۔ اور "زرتشت"
یا بودہ کی اجتماعی مگر خلاف فطرت اور غیرت کش سیاست؛ کلیسا کی ...
خود غرضانہ پالیٹکس، رہبانیت کی تباہ کن تعلیم اور خود عرب کی تشتت آفریں
حیات، اس کو سراسیمہ و سرگرداں کرکے ایک ایسے دستور کا اضطراب
اس کے دل وجگر میں پیدا کردیگی جو اجتماع اور جمہوریت کے فلاح بخش
آئین کے جلو میں ذاتی مفاد اور شخصی ضرورتوں کی بھی امن پرور اور عافیت
بخش تکمیل کردے۔! فطرت نے اس وقت ...... کے لئے ایک مکمل
قانون ازل ہی سے مرتب کر رکھا تھا۔ یہ مکمل دستور۔ کیا ہے؟ یہ وہی نور
اور ھُدیٰ ہے۔ یہ وہی حکمت اور آئین ہے جس کو تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ کہا گیا۔
جسکا نام قرآن حکیم ہے۔ جس کے نزول کے آخری وقت میں بشارت دی

گئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم	آج تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا
واتممت علیکم نعمتی و رضیت	تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے
لکم الاسلام دینا۔ ☆ ☆ ☆	لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ ☆

جس کے ذریعہ سے یہ قانون رُشد و ہُدیٰ، یہ نسخہ سعادت اور یہ وثیقہ فلاح
وترقی دُنیا کو عطا کیا گیا۔ وہ کامل اور مکمل انسان تھا۔ جس کی نظیر نہ چشم دنیا
نے کبھی دیکھی اور نہ دیکھیگی۔ جس کو کسی خاص خاندان یا خاص قبیلہ کے لئے۔ یا
انسانوں کے کسی خاص گروہ یا کسی ایک ملک کے لئے نہیں بلکہ سارے جہان

کے لئے اور تمام طبقات انسانی کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ * * * * * *
وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِین ہم نے جو آپ کو بھیجا تو رحم کرنیکے لئے تمام جہانوں پر
اس مکمل قانون کے لئے ایک دوسری بشارت دی گئی۔ کہ یہ لازوال سرچشمۂ
سعادت اور یہ ابدی آفتاب ہدایت دنیا کی ہر تشنگی کو سیرابی سے بدلنے اور
جہل و ظلم کی ہر تاریکی کو مٹانے کے لئے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ رہے گا۔
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْن۔ ہم نے ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی
پ ۶ اس کے محافظ ہیں:۔ * * * * *
آج انسان جسقدر خوش ہو کم ہے۔ جس طرح اس کی مادی ضرورتوں کے لئے
آفتاب۔ زمین۔ سمندر اور پہاڑ کے خزانے دست قدرت کی حفاظت
میں ہمیشہ سے محفوظ تھے آج اس کی روحانی ضرورتوں کے لئے ہی ایک خزانہ
عطا فرمایا گیا جو قدرتی طور پر آسمان اور زمین کے باقی رہنے تک محفوظ
رہیگا۔ اب اس کو نہ کسی جدید الہام کی ضرورت ہے نہ کسی ظلی یا بروزی
نبی کی۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ پ ۶
یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تم مردوں میں سے کسی کے باپ تو نہیں۔ (مگر شفقت میں باپ سے کہیں زیادہ ہیں) کیونکہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور رسول بھی خاتم الانبیاء
ہاں جسطرح اس کی مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے برق اور اسٹیم
کے ماہر پیدا ہوں گے جو قدرت کے ان ہی خزانوں سے نئی نئی چیزیں نکالکر
اپنی ضرورتیں پوری کریں گے۔

اسی طرح روحانی فلاسفہ۔ روحانی اطباء اور ڈاکٹر پیدا ہوں گے۔ جو

رشد وھدیٰ کے قدرتی مخزن سے آنے والے مشکل مسائل کا حل کرکے دُنیا کی ظلمت کو نور سے بدلتے رہیں گے ۔

علماءِ امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل (حدیث) | میری امت کے علما ارشاد و تبلیغ میں انبیا ر بنی اسرائیل کی طرح ہیں

دین مکمل کی ہمہ گیری | بیشک انجیل کی تعلیم دین اور دنیا میں کوئی رابطہ قرار دیتی۔ وہ دنیا کو ٹھکراتی اور مردود قرار دیتی ہی۔ اس سے تعلق رکھنے والوں کو خدا کی بادشاہت کی مہربانیوں سے محروم بتاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ آخری فتوی دیتی کہ "دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے" ۲۳۔ ۱۹ب۔ متی "اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہی کہ دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔ متی ۱۹ ۔ ۲۴ ۔

لیکن دین مکمل کی تعلیم اس تقشف کو رہبانیت سے تعبیر کرتی ہی۔ اور نہایت بلند آہنگی سے اعلان کرتی ہے۔ !

لَا رَھبَانیّۃَ فی الاِسلام ۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ۔ !

وہ جس طرح عبادت کو اللہ کا شکر قرار دیتی ہی۔ تجارت۔ صنعت وحرفت دنیاوی کاروبار کو اللہ کا فضل قرار دیتی ہے اور اپنے ماننے والوں کو ہدایت کرتی ہی۔ اذا قضیَت الصّلوٰۃ فَانتَشِرُوا فی الارض ۔۔ وَابتغُوا مِن فضل اِللہِ۔ سورہ جمعہ | جب نماز ختم ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ اور خداوند عالم کے فضل کو (دُنیاوی منافع) کو تلاش کرو

وہ تاجر کو بشارت دیتی ہے۔

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین و الشھداء" (ترمذی شریف)	سچا امانت دار تاجر انبیاء علیہم السلام صدیقین اور شہداء کیساتھ ہوگا۔ "ترمذی شریف"

صناع اور دستکار کو خوشخبری سناتی ہے

ان اللہ یحب المومن المحترف (صحاح) اللہ تعالیٰ دستکار مسلمان سے محبت فرماتا ہے

اسلامی تعلیم محصول اور مالگذاری کو (یعنی عشر کو) صدقہ قرار دیتی ہے اُس کی اَدائیگی کو ادائیگی فرض کی طرح مستحق ثواب گردانتی ہے۔ یہ مکمل قانون غریب کاشتکار کو پیغام دیتا ہے۔!

مامن مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعا فیاکل منہ طیر او انسان او بھیمۃ الا کان لہ بہ صدقۃ" (مشکوٰۃ شریف)	جب کوئی مسلمان کوئی درخت اگائے یا کھیتی بوئے اور اس سے کوئی پرندہ یا آدمی یا چوپایا کچھ کہالے تو وہ صدقہ شمار ہوگا۔

امام عادل کو مبارکباد دیتا ہے کہ قیامت کے روز وہ عرش خداوندی کے سایہ میں ہوگا۔ (صحاح) نیز ارشاد ہے۔ ان افضل عباد اللہ یوم القیامۃ امام - عادل - رفیق - کنز العمال ج ۳ ص ۱۸۹۔ اللہ کے بندوں میں قیامت کے روز سب سے افضل منصف اور نرم مزاج خلیفہ ہوگا۔ عام حکام کیلئے ارشاد ہے۔

ان المقسطین عند اللہ یوم القیامۃ علی منابر من نور عن یمین الرحمٰن وکلتا یدیہ یمین۔	انصاف کرنیوالے (حکام) قیامت کے روز رحمٰن کے دائیں جانب نور کے ممبروں پر ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دہنے ہی ہیں۔

الذین یعدلون فی حکمہم واھلیھم وما ولوا۔ کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۸۹

یعنی وہ انصاف پسند جو اپنے فیصلوں اپنے متعلقین اور ان تمام چیزوں میں انصاف سے کام لیتے ہیں جنکے وہ حاکم بنائے گئے

نیز ارشاد ہے۔

عدل یوم واحد افضل من عبادۃ ستین سنۃ۔ ج ۳ صفحہ ۸۹ الکنز

ایک دن کا انصاف ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ !۔"

✤ ✤ ✤ ✤ ✤

عمّال کو خوشخبری سنائی جاتی ہے

العامل علی الصدقۃ بالحق۔ کالغازی فی سبیل اللہ حتیٰ یرجع الی بیتہ۔ ج ۱ صفحہ ۸۲ ترمذی شریف

دیانت داری اور صداقت کیساتھ صدقہ یعنی شرعی مالگزاری کا وصول کرنیوالا غازی فی سبیل اللہ جیسا ہے جب تک وہ اپنے مکان پر واپس آئے۔

✤ ✤ ✤ ✤

یہ مکمل تعلیم تمام دنیا کو للکارتے ہوئے کہتی ہے

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ۶ ص

نیکی یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو۔ !۔"

پھر وہ نیکی کی تفسیر اس طرح کرتی ہے۔ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

ولکن البر من آمن باللہ و الیوم الآخر والملائکۃ و الکتاب والنبیین وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ و الیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب
۲۲۶۔ ۲۔ ج ۲۔ سورہ بقرہ

نیکی کا پیکر تو وہ شخص ہے جو ایمان لائے اللہ پر قیامت کیدن پہ کتاب، اور نبیوں پر۔ اور مال کی محبت کے باوجود (یعنی اس کی ضرورت اور رغبت ہوئے نہ یہ کہ جب دم حلق میں آجائے) مال دے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں۔ اور نماز قائم رکھے زکوٰۃ دیا کرے اور جو کہ اپنے عہد پورے کرتے ہیں جب عہد کر لیتے ہیں۔ اور سختی تکلیف اور لڑائی کیوقت صبر کرنے والے۔ یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار

ایک غریب عیال دار کو جو محنت کشی سے تھکا ماندہ بال بچوں کی ضروریات سے پریشان، للچائی ہوئی نگاہوں سے ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہو جو راہ خدا میں اپنی دولت لٹا رہے ہوں۔ اطمینان دلاتی ہے۔ ۞ ۞ ۞ ۞

الصدقة علی المسکین صدقة وعلی ذی الرحم ثنتان۔ صدقة وصلة " ترمذی شریف ص۸۳ ج۱

مسکین پر صدقہ کرنا تو صرف صدقہ ہی ہے اور رشتہ داروں پر صدقہ دو چیزیں ہیں۔ (۱) صدقہ (۲) صلہ رحم یعنی عزیز کے ساتھ حسن سلوک۔" ۞ ۞ ۞

ای رجل اعظم اجرًا من رجل ینفق علی عیال لہ صغار یعفھم اللہ ولیغنیھم اللہ بہ ترمذی شریف ص۱۵۸ ج۱۔

اس شخص سے زیادہ ثواب میں بڑھا ہوا۔ کون ہوگا جو کہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں پر خرچ کرتا ہے۔ خداوند عالم اس تکفل کی باعث ان بچوں کو سوال کرنے سے محفوظ رکھتا ہے اور دوسروں کا محتاج نہیں ہونے دیتا۔

دین، حاملان دین اور سیاست"

آج کی دنیا میں سیاست کا لفظ دین اور حامل دین یعنی "مولوی" کے لئے مشکوک ہے"۔

بیس پچیس۲۵ سال پیشتر یہ لفظ قطعًا بے جوڑ مانا جاتا تھا۔ قیادت اور سیادت کے خود ساختہ مدعی۔ آج بھی یہی فرماتے ہیں کہ مذہب کو سیاست سے کیا واسطہ؛ علماء کو سیاست سے کیا تعلق؟"

لیکن سوال یہ ہے کہ جو شخص دین اسلام کو اس درجہ ناقص سمجھے اسکو دعوی اسلام سے کیا واسطہ؟ مسلمانوں کی قیادت وسیادت سے کیا تعلق

کبرت کلمة تخرج من افواههم ان یقولون الا کذبا" ۔!

کسقدر نازیبا بات ہے جو ان کے منھ سے نکلی سراسر جھوٹ بول رہے ہیں

سیاست کیا ہے ؟ | اچھا آپ سیاست کے اجزار کی تحلیل کیجئے۔!
اور پھر دیکھئے کہ علما رکو سیاست سے کیا تعلق ہے۔ ممکن ہے لفظ سیاست سے
آپ بآسانی اس کے اجزار تک نہ پہنچ سکیں۔ سیاست کے لئے ایک دوسرا
لفظ ہے " تدبیر ملک "، یعنی ملکی انتظامات۔ ہاں ایک قسم سیاست کی اور بھی
ہے یعنی "تدبیر ملّت" . . . !

تدبیر ملک یعنی ملکی انتظامات کے بہت سے باب آپ کے سامنے آئینگے
مثلاً باہمی تعلقات کا قانون، (۲) بین الاقوامی رُوابط کا قانون۔ (۳) قانون
آراضی (۴) قانون زراعت (۵) قانون صنعت (۶) قانون تجارت (۷)
قانون حفظان صحت (۸) قانون عدالت (۹) قانون تحفظ (۱۰) قانون
مدافعت وغیرہ۔ لیکن یہ تمام ابواب صرف تین لفظوں میں مدغم ہو جاتے ہیں
قانون بنانا۔ جاری کرنا۔ اس کو محفوظ رکھنا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اسلام کیا ہے ؟ ممکن ہے آپ جواب دیں کہ مجموعہ
عبادات اور اخلاق کا نام اسلام ہے۔ لیکن یقین جانئے کہ یہ جواب دیکر
آپ اسلام کی سخت ترین توہین کریں گے۔ نیز آپ ثابت کر دیں گے کہ آپ
یورپ کے پروپاگنڈے سے پوری طرح متاثر ہو چکے ہیں۔ جس کا منشا یہی ہے
کہ اسلام کو سیاست سے بیگانہ قرار دیکر مسلمانوں کو بحیثیت مذہب پالیٹکس
سے نابلد کر دیا جائے تاکہ کسی سیاسی معاملہ میں بھی حمیت اسلام کا جوش
ان کے دل میں پیدا نہ ہو۔! اور اس طرح اقتدار یورپ لازوال ہو جائے

اسلام کی ہمہ گیری حقیقت یہ ہے کہ آپ کتنے ہی منصف مزاج ۔، معاملہ فہم، قانون داں یا مدبر کیوں نہ ہوں، آپ ہر ملک اور ہر قوم کے طبعی رجحانات، مقامی یا قومی ضروریات سے ہرگز واقف نہیں ہو سکتے۔ ! لہذا آپ کی معاملہ فہمی، منصف مزاجی، اور قانون دانی، صرف اسی قوم، اور ملک تک محدود ہو جاتی ہے۔ جس سے آپ کا تعلق ہے بلکہ صرف اسی طبقہ تک جس کے آپ ایک فرد ہیں۔ ۔۔۔۔۔ !

اگر آپ زمیندار ہیں تو آپ کو کاشتکاروں کے درد اور دکھ کا پورا احساس نہیں۔ اگر آپ مزدور ہیں تو آپ کو مالکان مل کی ضروریات کا صحیح اندازہ نہیں۔ دوسری طرف صورت یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے تمام طبقے ایک دوسرے سے اس طرح جکڑ بند ہیں کہ کسی ایک طبقہ کی بے چینی تمام طبقات پر اثر انداز ہوتی ہے اور روس و فرانس جیسے انقلابات پیدا کر دیتی ہے۔ ! ہاں انسانی طبقات کے تمامی افراد کے میلانات اور رجحانات اُن کی قومی اور ملکی ضروریات سے اگر کوئی صحیح اور مکمل طور سے واقف ہو سکتا ہے۔ تو صرف وہی جس نے ان سب کو پیدا کیا۔ ان کے میلانات اور رجحانات کو پیدا کیا ان کی ضروریات کو پیدا کیا، !

جس نے طبقات انسانی کی کشاکش کیوقت فرعونیت اور نمرودیت کے مظاہروں کے وقت غریب اور کمزور بندوں کی لاچاری اور بے بسی کے وقت انبیاء علیہم السلام کو بھیجکر اعلان کیا۔ !

نُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں اُن جو

فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین ونمکن لھم فی الارض سورہ قصص ۔ ۱۶ ۔	کمزور بنائے گئے ملک میں ۔ اور یہ کہ ہم انکو سردار بنا دیں اور ان کو قائم مقام (وارث ملک کردیں) اور ان کو ملک میں جما دیں ۔

اور پھر جب کمزور یا مفلس انسانوں نے اپنی بد تدبیری، جہالت اور نادانی کو چھپاتے ہوئے محض عناد، یا حسد اور بغض کے طور پر اہل ثروت کو بُری نگاہ سے تاکنا شروع کیا ۔ تو ان کو تنبیہ فرمائی ۔ !

نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات ۔ لیتخذ بعضھم بعضا سخریا ۔ ❊ ❊ سورہ زخرف ۶ ع ۳۶ ج ۲۵ ۔	ہم نے دنیاوی زندگی میں اُن کے درمیان ان کی روزی تقسیم کردی ۔ اور ایک کے ایک پر درجے بڑھائے تاکہ ایک دوسرے پر قابو پا سکے ۔ (اور اس طرح نظام دنیا درست رہے ۔) سورہ زخرف ۳۶ ج ۲۵
ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء	یہ اللہ کا احسان ہے جسکو چاہتا ہے بخش دیتا ہے

اس نے کامل اور مکمل قانون انسان کو عطا فرمایا ۔ جس کا نام قرآن ہے جسکا آغاز ہی رحمٰن اور رحیم کے نام سے ہوا ۔ اور افتتاحی خطبہ میں پہلی وصف ربّ العالمین فرمائی اور اس کو اپنے ایسے مقرب اور کامل ترین بندہ کے ذریعہ سے پہنچایا ۔ جس کا خطاب رحمۃ للعالمین ہے ۔ جس نے اپنے ارشادات مبارکہ کے ذریعہ سے اس کی تشریح اور تفسیر فرمائی :۔

بیشک یہی قانون ہر انسان اور ہر طبقہ انسان کے ساتھ مساویانہ اور حریانہ عدل و انصاف کر سکتا ہے ۔ اور یہی قانون اولاد آدم کی ہر ایک

مصیبت کو دور اور اس کی ہر ایک ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔ اس کتاب مکمل کے اصولی دستور اور اس کی نبوی تشریحات کی روشنی میں جزوی قوانین (بائی لاز) مرتب کئے گئے۔ اُن کا نام فقہ ہے۔

آپ حدیث یا فقہ کی کسی کتاب کو اٹھا کر دیکھئے اور محض ابواب کی فہرست پر نظر ڈال لیجئے۔ آپ نماز روزہ کے متعلق اگر دس صفحات دیکھیں گے تو کم از کم سو صفحات ان ہی ابواب کے متعلق پائیں گے۔ جن کو ملکی انتظامات کے سلسلہ میں ہم نے بیان کیا پھر کیا اسلام کی اس ہمہ گیری کے باوجود بھی آپ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کو سیاست سے کیا واسطہ؟ علماء کو سیاست سے کیا تعلق؟

سیاست کی دوسری قسم

تدبیر ملت اور علماء کی قیادت

اسی قانون الٰہی کو دنیا میں نافذ کرنا اور اس کے نافذ کرنے کی قوت کو فراہم اور محفوظ رکھنا۔ تدبیر ملت ہی جو مخصوص طور پر مسلمانوں کا فرض ہی . . . !

چنانچہ ارشاد ربانی ہی!!

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ

ہم نے تم سے پہلی قوموں کو ہلاک کر دیا۔ جبکہ وہ ظالم ہو گئے۔ حالانکہ اُن سامنے انکے رسولوں (علیہم السلام نے) کھلی کھلی نشانیاں پیش کی تھیں (مگر وہ) ایمان لانے والے نہ تھے ہم اسی طرح مجرم قوموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں قائم مقام بنا دیا۔

لِنَنظُرَ کَیفَ تَعمَلُونَ سورۂ یونس ۔ تاکہ دیکھیں تم کس طرح عمل کرتے ہو

نیز ارشاد ہوا۔ وَاَعِدُّوا لَھُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّۃٍ وَّمِن رِّبَاطِ الْخَیلِ تُرْھِبُونَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُم ۔ ۲۶۔ ع ۳

اُن (مخالفین اسلام) کے لئے جسقدر بھی طاقت اور سرحدی چھاؤنیوں پر بندھنے والے گھوڑے تیار رکھ سکو رکھو۔ جس سے تم اپنے دشمنوں اور خدا کے دشمنوں کو خوف زدہ کرتے رہو

پھر اس قانون مکمل کی مہارت اور اس کی بصیرت حاصل کرنیکے متعلق ارشاد ہوا۔ لولا نفر مِن کلِّ فِرقَۃٍ مِنھُم طَائِفَۃٌ لِیَتَفَقَّھُوا فِی الدِّینِ وَلِیُنذِرُوا قَومَھُم اِذَا رَجَعُوا اِلَیھِم لَعَلَّھُم یَحذَرُونَ سورۂ توبہ ۔ ع ۱۵۶۔ پ ۱۱ ۔

مسلمانوں کے ہر ایک گروہ میں سے ایک جماعت کیوں نہیں کوچ کرتی تاکہ دین کی بصیرت حاصل کریں۔ اور جب وہ اپنی قوم کیطرف واپس ہوں ۔ تو ان کی اصلاح و انذار کریں۔ توقع ہے کہ قوم کے لوگ (بری باتوں سے) بچنے لگیں گے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ماہرین قانون، کا فرض کیا قرار دیا گیا؟ وہی جو انبیاء علیہم السلام کا فرض ہی یعنی بے دینی کی خطرات سے ڈرا کر دین کی پابندی پر آمادہ کرنا۔ اسی بنا پر احادیث میں علماء کرام کو۔ انبیاءؑ کا وارث قرار دیا گیا۔ ان کو انبیاء بنی اسرائیل سے تشبیہ دی گئی۔ ارشاد ہوا ......
" عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَانبِیَاءِ بَنِی اِسرَائِیل" تو کیا۔ ملت اسلامیہ کا قائد انبیاء علیہم السلام کے بعد وارثان انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی اور ہو سکتا ہی

تصنیف ہٰذا کا نکتۂ نظر

جب کہ عمومی سیاست اور بالخصوص ملی سیاست (یعنی تدبیر ملت)
علماء کا فرض ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان وارثان انبیاء علیہم السلام نے
اس فریضہ کو کہاں تک انجام دیا اور کس طرح انجام دیا۔ اسی سوال کا جواب
دینا ہمارے اس سلسلہ تحریر کا مقصود ہے۔ لیکن تمام دنیا کے علماء کرام کی
سیاسی خدمات شمار کرانا، کاتب حروف جیسے کم مایہ شخص کے لئے یقیناً ناممکن
ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ علماء ہند رحمہم اللہ کے سیاسی کارناموں کو قلمبند کیا
جائے۔ اس خدمت کو انجام دینے کی پوری جد وجہد کی جائیگی۔ اگرچہ یہ خدمت
حد درجہ دشوار اور مشکل ہے اور بہت زیادہ مطالعہ کتب اور طولت وقت
کی خواہاں۔ کیونکہ بد قسمتی سے ہمیں کوئی ایک بھی کتاب ایسی معلوم نہیں
جس میں اس نکتہ نظر کے بموجب حضرات علماء ہند کے احوال قلمبند کیے گئے
ہوں۔!

اس حصہ میں کن علماء کا ذکر ہوگا

آج ہندوستان نظام حکومت کی چولی بدل رہا ہے۔ انقلاب کے
ترانے گائے جا رہے ہیں اور نوجوانان ملک کے جذبات حریت اور استقلال
کی خاطر ایثار و قربانی کی ہر ایک دعوت پر لبیک کہنے کو تیار ہیں۔ غلامی اور
پستی کی آخری سیڑھی سے گذر کر اقبال اور عروج کی پہلی سیڑھی پر قوم اور
ابناء وطن کا قدم پہونچ چکا ہے۔ آج ہر ایک ہندوستانی اپنے پیش رو بزرگوں کی

اعمال و افعال کا محاسبہ کرنا چاہتا ہے۔ کہ عہد عالمگیری کے بعد جب عروج ہندوستان کا زوال شروع ہوا اور غیر ملکی اقتدار کے منحوس قدم دن بدن مضبوطی سے جمنے لگے تو ان بزرگوں نے وطن عزیز کی عزت و حرمت کیواسطے اور غیر ملکی اقتدار کی مدافعت کے لئے کیا کیا جد و جہد کی :-

علماء ہند کا وہ سلسلہ جس کو آج کل (علماء دیوبند کہا جاتا ہے سب سے زیادہ اس جواب کا ذمہ دار ہے۔! اس سلسلہ کا آغاز سیدنا مولانا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے فیوض قدسیہ سے ہوتا ہے جو ہندوستان میں اس سلسلہ کے بانی اور استاذ اعظم ہیں۔ اس سلسلہ کے اساتذ کی سند حسب ذیل ہے

(۱) سیدنا حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز

(۲) سیدنا حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز

(۳) سیدنا حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز

(۴) سیدنا حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز

(۵) حجۃ الاسلام سیدنا مولانا محمد قاسم صاحبؒ ⁜ و مرشد ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح

(۶) سیدنا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز

(۷) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ

مذکورہ بالا سات حضرات اس تصنیف کے مقدس ہیرو ہیں ان حضرات کے

عہد مبارک کو طبقہ کے لفظ سے تعبیر کیا جائے گا۔ نیز ان اساتذہ کرام کیساتھ اس طبقہ کے دیگر بزرگوں کے حالات بھی درج ہوں گے جو اس سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

ضروری عرضداشت

ہمیں اس چیز کا اعتراف ہے کہ اس سلسلہ کے ماسوا ہندوستان کے دیگر علمار کرام نے بھی نہایت اہم سیاسی خدمات انجام دی ہیں۔ مگر اس حصہ میں ہم صرف اسی سلسلہ کے اکابر کی خدمات بیان کریں گے۔ اور توفیق الہٰی شامل حال رہی تو دیگر علمار ہند کی خدمات کے لئے دوسرا حصہ مخصوص ہو گا۔ جس کے متعلق جملہ ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ اگر ان کو کچھ حالات دیگر علمار کے مستند طور پر معلوم ہوں تو عنایت فرماکر اس خاکسار کو اُن سے مطلع فرمائیں ورنہ کم از کم ایسی کتاب سے مطلع فرمائیں جس میں ان کے حالات درج ہوں۔ خاکسار ایسے حضرات کا بہت زیادہ ممنون ہو گا۔ اور اس صورت ... اہم ترین فریضہ بآسانی مکمل ہو جائے گا۔

واللہ الموفق وھو المعین
علیہ توکلتُ و الیہ انیب

خاکپائے علماءؒ محمد میاں عفی عنہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُستاذ علماءِ ہند، رأسُ المحدّثین

سیّد الطائفہ، سیّدنا و مولٰینا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرّہٗ العزیز

مورثِ اعلیٰ علماءِ دیوبند

"ولادت باسعادت، اسمِ گرامی، خاندان اور نسب شریف"

ولادت باسعادت اور اسمِ گرامی ،، چہارم شوال ۱۱۱۴ھ روز چہار شنبہ کی سہانی صبح کسقدر مبارک اور مسعود تھی جبکہ سیّدنا حضرت شاہ عبدالرحیم[1] صاحب قدس اللہ سرّہٗ العزیز کے حرم محترم میں ایک فرزند ارجمند پیدا ہوا۔ ❖ • ❖ • ❖ • ❖ • ❖ • ❖ • ❖ • ❖ • ❖ • ❖ • ❖

حاشیہ" [1] حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب اپنے زمانے کے جلیل القدر علماء اور اولیاء کبار میں سے تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت شیخ وجیہہ الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے نانا حضرت شیخ فرید الدین محمد صاحب اور آپ کی والدہ نیز ماموں شیخ عبدالحی صاحب

قدس اللہ اسرارہم سب کے سب صاحب نسبت اولیاء اللہ میں سے تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت شیخ وجیہہ الدین صاحب کو بشارت دی گئی تھی کہ تمہاری پشت سے ایک ایسا نیک نفس لڑکا پیدا ہوگا جس کی بدولت نہ صرف تم بلکہ تمہارا سارا خاندان دنیا میں شہرت اور عزت حاصل کرے گا۔ (واللہ اعلم) شاہ عبدالرحیم صاحب کی والدہ ماجدہ اپنے سب بہن بھائیوں سے چھوٹی تھیں۔ شادی سے پہلے ہی والد ماجد یعنی شیخ فریدالدین محمد صاحب کی وفات ہوگئی تھی۔ شیخ فریدالدین محمد صاحب نے وفات کے وقت تمام سامان اولاد پر تقسیم کر دیا اور اس چھوٹی صاحبزادی کو فوائد طریقت کے چند اجزاء اور مشائخ کرام کا شجرہ عطا کیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے فرمایا! "اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے کوئی ایسا سامان اس کے لئے مخصوص کردو جو اس کی شادی میں کام آئے۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔" یہ چند اوراق ہمارے گذشتہ اسلاف کی مقدس میراث ہے۔ جو ہمیں دنیا کی تمام حشمت و شوکت سے زیادہ محبوب ہے اس لڑکی کے ایک فرزند ہوگا جو اس مقدس ترکہ کا اہل ہوگا۔ رہا شادی کا سامان تو اس کا متکفل مسبب الاسباب ہے۔ ہمیں اس فکر نہیں!" چنانچہ یہ مقدس ودیعت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کو سپرد کی گئی آپ کے ماموں حضرت شیخ عبدالحی صاحب کو بہت افسوس تھا کہ ان کے سارے لڑکے نااہل ہیں۔ اور اسلاف کے تقدس کا حامل

[illegible] ص ۲۱

کوئی بھی نہیں مگر ایک روز شاہ عبدالرحیم صاحب کو جن کی عمر ابھی بہت تھوڑی تھی وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ سر سے صافہ اتارے ہوئے وضو کر رہے تھے اور وضو کے آداب و مستحبات کو ایک ایک کرکے ادا کر رہے تھے۔ شیخ عبدالحی صاحب یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میری اولاد میں کوئی اہل نہیں۔ تو مسرت ہے کہ میری بہن کی اولاد میں ایک اہل پیدا ہوگیا۔ اسی قسم کے بہت سے واقعات "حیات ولی" میں درج ہیں جن ذکر کرنا ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔

آپ نے اپنے والد صاحب کے بڑے بھائی شیخ ابوالرضا محمد صاحب اور جناب حافظ سید عبداللہ صاحب۔ جناب خواجہ ابوالقاسم صاحب اکبرآبادی اور جناب خواجہ خسر صاحب خلف رشید جناب خواجہ محمد باقی صاحب سے **علوم ظاہریہ کا اکتساب کیا۔**

آپ بظاہر سید عبداللہ صاحب ساکن کھیری بسی خلیفہ حضرت شیخ آدم بنوری کے دست مبارک پر بیعت ہوئے"۔ مگر اس سے پیشتر آپ کو اسم ذات کی تلقین سیدنا حضرت زکریا علیہ السلام سے اور خصوصی نسبت خود خواجہ عالم سید الانبیاء خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو چکی تھی۔ ان تمام تفصیلات کو ہم انشاءاللہ دوسرے حصہ میں ذکر کریں گے سردست شائقین کرام "حیات ولی" کا مطالعہ فرمائیں"۔ ۱۲ر صفر روز چہار شنبہ ۱۱۳۱ھ عہد فرخ سیر

جس کی بشارت۔ خواجہ[۱] قطب الدین بختیار کاکی، کی روح پرفتوح نے کچھ عرصہ پیشتر دی تھی۔ اور الہامی طور پر خود اپنا اسم گرامی "قطب الدین" اس فرزند سعید و مسعود کو عطا فرما کر۔ منشکف کر دیا تھا کہ عالم بالا میں اس کو دائرۂ دین کا قطب اور مرکز قرار دیا جائے گا۔
اگرچہ دنیا والوں[۲] نے آپ کو "ولی اللہ" کے اسم بامسمیٰ سے پہچانا۔

بقیہ حاشیہ

میں ۷۷ سال کی عمر میں بمقام دھلی وفات پائی اور مہندیوں میں دفن کئے گئے۔ آپ کے انتقال کے پچاس روز بعد "فرخ سیر" گرفتار ہوا۔ "حیات ولی صـ۱۷۷" اس حساب سے آپ کی ولادت ۱۰۵۴ھ میں ہوئی (واللہ اعلم بالصواب)

[۲] حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی عمر مبارک کے ۶۰ سال پورے ہو چکے تھے آپ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ خواجہ بختیار کاکی کے مرقد مبارک پر آپ حاضر تھے۔ حضرت خواجہ کی روح پرفتوح کے ذریعہ آپ کو بشارت دی گئی کہ آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اس کے بعد آپ کے دل میں نکاح ثانی کا خیال پیدا ہوا۔ حضرت شیخ محمد صاحب جو اہل اللہ، اور باخدا بزرگ تھے ان کی صاحبزادی سے آپ نے نکاح کیا جن سے دو صاحبزادے تولد ہوئے۔ سیدنا شاہ ولی اللہ صاحب اور سیدنا شاہ اہل اللہ صاحب قدس اللہ سرہما۔ پہلے حرم سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے تھے جنکا نام صلاح الدین تھا مگر ان کی

وفات پہلے ہی ہو گئی تھی۔ ✤ • ✤ • ✤ • ✤ • ✤ • ✤ • ✤

بشارت میں اگرچہ قطب الدین احمد نام رکھنے کی ہدایت تھی۔ مگر بقول مصنف "حیات ولی" وہ فراموش ہو گئی۔ اور نام ولی اللہ رکھدیا گیا اور وہی مشہور ہوا۔ اور اس کے بعد یاد آیا تو نام قطب الدین احمد رکھا گیا۔ مگر اس کو شہرت نہیں حاصل ہوئی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

شجرۂ نسب [1]

سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ

محمد رضی اللہ

عبداللہ

غنام

سلیمان

قریش

ہمایوں

ہامان

عثمان

شہریار

محمد

احمد

جرجس

ملک فاروق

ملک عمر حاکم

ملک ابو الفتح

ملک محمد عطا

ملک شیر

شمس الدین

کمال الدین

قطب الدین

عبدالملک

قاضی کبیر

قاضی قاسم

قاضی قاذن

قاضی محمود

قاضی احمد

منصور

شیخ معظم

شیخ وجیہ الدین

شاہ عبدالرحیم

شاہ صلاح الدین صاحب — حضرت شاہ ولی اللہ صاحب — شاہ اہل اللہ صاحب

شاہ عبدالعزیز صاحب — شاہ عبدالقادر صاحب — شاہ عبدالغنی صاحب — شاہ رفیع الدین صاحب

شہید ملت حضرت شاہ محمد اسمٰعیل صاحب رح

---

[1] ماخوذ از مرآۃ الانساب مصنفہ مولانا ضیاء الدین صاحب علوی امروہوی مگر مولینا مولانا خلیل الرحمن صاحب اسرائیلی مترجم حجۃ اللہ البالغہ نے دیباچہ میں قاضی قاذن کا اصلی نام قاضی قوام الدین عرف قاضی قواذن اور قاضی کبیر کا عرف قاضی بُدّھا بیان کیا ہے اور عمر حاکم اور ملک فاروق کے درمیان عادل کے نام کا اضافہ کیا ہے نیز جرجس کے بجائے خیبر حسین لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

خاندان شریف | شجرۂ نسب میں قاضی اور ملک کے خطابات سے معلوم ہوتا ہو اس خاندان کو حکومت میں خاص رسوخ اور اعزاز حاصل تھا۔ یہ بتانا مشکل ہو کہ یہ خاندان کس وقت عرب سے نکل کر عجم میں فروکش ہوا البتہ چھبیسویں پشت میں ایک شخص کا نام ہمایوں ہونے سے قیاس ہوتا ہے کہ عرصۂ دراز سے یہ خاندان ارضِ عرب چھوڑ چکا تھا۔

مولانا رحیم بخش صاحب مصنف "حیات ولی"، کی تحقیق یہ ہے کہ ہندوستان میں جناب مفتی شمس الدین صاحب تشریف لائے تھے۔ ؛

شیخ وجیہ الدین صاحب شہیدؒ | سیدنا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے جد امجد ہیں۔ آپ ایک باخدا ستودہ صفات بزرگ ہوتے ہوئے فنون حربیہ کے ماہر، بہت بڑے بہادر اور نبرد آزما مجاہد تھے۔ بقول مولانا رحیم بخش صاحبؒ عہد شاہجہانی میں شاہی فوج کے لفٹننٹ کی حیثیت سے اطراف مالوہ کی مہمات میں اور عہد عالمگیری میں شاہ شجاع کے مقابلہ پر۔۔۔ اورنگ زیب کی ہمرکابی میں۔ اعلیٰ شجاعت کے بے نظیر جوہر دکھائے جس سے عالمگیرؒ کی قدر شناس نظر میں آپ کی وقعت بہت بڑھ گئی تھی۔ آپ کی زندگی کے تفصیلی حالات بیان کرنا موضوع بحث سے خارج ہے۔ البتہ ایک واقعہ کا ذکر کرنا بیجا نہ ہوگا۔ جو شجاعت اور اخلاق کی تاریخ میں ایک نایاب یادگار ہے۔

اطراف مالوہ کی مہم میں تین نوجوان شیخ کے مقابلہ پر آئے۔ تینوں پہلوان تھے اور اپنی حربی مہارت میں بے نظیر۔ لیکن شیخ کی شجاعت اور

جنگی مہارت پر تینوں یکے بعد دیگرے قربان ہو گئے۔ جب جنگ ختم ہوئی تو ان بہادر نوجوانوں کی ماں اپنے پارہائے جگر کے قاتل کو تلاش کرتی ہوئی کیمپ میں آئی۔ اور جب شیخ صاحب کے متعلق اس کو معلوم ہوا کہ ان تینوں بہادروں پر فتح پانیوالے یہی ہیں تو بڑھیا نے آپ کی شجاعت کی داد دی۔ اور آپ کی مہارت اور شجاعت پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ظاہر کیا کہ میں تمکو اپنے تینوں بہادر بیٹوں کی جگہ اکلوتا بیٹا سمجھونگی اگر آپ بھی مجھ کو ماں کی جگہ مانیں۔" جناب شیخ نے جب یہ پیشکش کو منظور کرتے ہوئے مادرانہ اعزاز کا وعدہ کیا تو بڑھیا نے فرمایش کی کہ وہ اس کے مکان پر چلیں اور دو تین روز قیام کریں۔ جناب شیخ اس پر آمادہ ہو گئے مگر آپ کے رُفقا نیز فوج کے کمانڈر "سید حسین" نے محض ایک عورت کے اعتماد پر دُشمنوں کی بستی میں جانا خلاف مصلحت سمجھا اور جناب شیخ کو ارادہ فسخ کرنے پر مجبور کیا۔ شیخ اس وقت تو مجبور ہو گئے۔ مگر تین چار روز بعد تنہا اس بڑھیا کے مکان پر پہنچے۔ بڑھیا نے فی الواقع وہی کیا جو اس نے کہا تھا۔

نہایت شفقت اور محبت کیساتھ تین روز اپنے ہاں رکھا اور اعلیٰ پیمانہ پر مہربانی کے آداب بجالائی۔ پھر حضرت شیخ کے تعلقات بڑھیا کیساتھ آخر عمر تک فرزندانہ رہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب بھی والد ماجد کے بعد اس بڑھیا کے ہاں جاتے تھے اس کو دادی کہا کرتے تھے اور اگرچہ حضرت شاہ عبدالرحیم نے حقیقی دادی کو نہ دیکھا تھا۔ مگر اس منھ بولی

دادی سے وہی راحت اور شفقت حاصل کیا کرتے تھے جو حقیقی دادی سے
شیخ وجیہہ الدین صاحب کی شادی حضرت شیخ رفیع الدین محمد
بن قطب العالم بن شیخ عبدالعزیز رح کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ یہ
دونوں باپ اور بیٹی" اولیاء اللہ میں سے تھے (دیکھو حاشیہ صہ ۱)
شیخ وجیہ الدین صاحب کے فرزند تین تھے۔ شیخ ابوالرضا۔ دوسرے شیخ
عبدالرحیم تیسرے شیخ عبدالحکیم" ان تینوں میں شیخ عبدالرحیم رحمۃ اللہ
سے والد ماجد کو زیادہ محبت تھی چنانچہ سفر میں آپ ہی اکثر ساتھ رہا کرتے تھے
.........، آخر عمر میں شاہی منصب سے علیحدگی
اختیار کر کے سلوک اور طریقت کی طرف توجہ کی اور بہت جلد ایک
خدارسیدہ مرشد ہو گئے۔
آخر میں سیواجی کے مقابلہ پر جہاد کا شوق ہوا۔ کچھ دنوں بعد
دہاں سے واپس دہلی آرہے تھے کہ تاجروں کے ایک قافلہ کی حمایت
میں سرائے نوبزیا مقام پر رہزنوں سے جنگ کرتے ہوئے ۲۲ زخم
بدن مبارک پر کھاکر شہید[۱] ہو گئے۔! انّ للہ وانا الیہ راجعون
"شہادت کی تاریخ اور سنہ معلوم نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب"

بے نظیر خوش قسمتی !!

دنیا کی پوری تاریخ میں ایسے حضرات بہت ہی کم ہیں جن کے
اہل بیت اولیاء اللہ ہوں اور پھر کئی پشت تک سعادت کا
سلسلہ متواتر رہا ہو۔ جناب شیخ وجیہ الدین صاحب رح کے

[۱] ماخوذ از حیات ولی صہ ۶۵ و صہ ۶۶ / ۱۰۲

آباواجداد بھی اہل اللہ اور علماء دین تھے۔ اور پھر آپ کی اولاد میں مسلسل چار پشت تک جس کا بھی نام لیا جائے وہ اپنے زمانہ کا صاحب کمال۔ خدارسیدہ مرشد بلکہ قطب یا غوث ہے۔

اسی بنا پر ہم نے اپنے موضوع سے کسیقدر ہٹ کر حضرت شیخ کا اجمالی تذکرہ ضروری سمجھا۔ حضرت شاہ مولانا عبدالرحیم صاحب کا مجمل تذکرہ پہلے صفحہ کے حاشیہ میں آپ ملاحظہ فرما چکے۔

سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ

قدس اللہ سرہٗ العزیز کی

تعلیم و تربیت

ایک سعید اور ہونہار بچہ کے لئے اس سے زیادہ خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ سیدنا شاہ عبدالرحیم صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز جیسا قطب وقت اس کا مربی ہو۔

اندازِ تربیت صرف ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے

ایک مرتبہ سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ عہد طفولیت میں اپنے رشتہ داروں کیساتھ تفریح کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ واپس ہوئے تو والد ماجد نے شفقت سے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔

بیٹا،، ہم نے اتنی دیر میں اتنی مرتبہ درود شریف پڑھا۔ تم بتاؤ تم نے

اتنی دیر میں کیا کمایا "سعید"۔ بچّہ نے اس کے جواب میں ایک ایسی شرم محسوس کی جس نے آئندہ کے لئے سیر تفریح کے سلسلہ کو ختم ہی کر دیا [۱]

ابھی عمر مبارک پانچ برس کی تھی کہ والد بزرگوار نے بسم اللہ شروع کرادی۔ ساتویں سال قرآن مجید ختم کر لیا اور پھر سرکاری زبان یعنی فارسی کی کچھ کتابیں پڑھانے کے بعد عربی پر متوجہ کیا۔ چنانچہ دسویں سال شرح ملا تک پہنچ گئے اور چودھویں سال کے ختم تک آپ نے دیگر فنون سے فراغت پا کر پندرھویں سال تفسیر بیضاوی کا درس لینا شروع کر دیا۔ مختصر یہ کہ چودہ پندرہ سال کی عمر میں خداداد ذہانت و ذکاوت اور والد ماجد کی توجہات کی بدولت آپ ...، حدیث، تفسیر، فقہ، معانی کلام۔ ادب، منطق، فلسفہ، نیز طب، ہیت، اور حساب کی تحصیل سے فارغ ہو کر جامع الفنون [۲] عالم ہو گئے۔ آپ کے تحصیل علوم کی سند اپنے والد کے ذریعہ زید بن اسلم ہروی کے طریق پر محقق دَوّانی" تک پہونچتی ہے"

نکاح | چودھویں سال ہی آپ کی شادی کی سلسلہ جنبانی کی گئی۔ اگرچہ لڑکی والوں کی طرف سے ابھی کچھ توقف کی خواہش ظاہر کی گئی۔ مگر والد بزرگوار نے عجلت ہی کو مصلحت سمجھا"

ابتلا و آزمائش | شادی ہوتے ہی والد بزرگوار کی مصلحت بینی کا مظاہرہ ہونے لگا۔ کچھ دن نہ گذرے آپکی خوشدامن نے سفر آخرت اختیار کیا اس کے چند روز بعد ہی خوشدامن صاحبہ کی والدہ صاحبہ انتقال

[۱] حیات ولی ص۲۶۳ "، [۲] حیات ولی ص۲۲۴ و ص۲۲۵ و دیباچہ آیات اللہ الکاملہ

کر گئیں۔ ابھی اس رنج واندوہ سے فرصت نہ ملی تھی کہ شیخ فخر العالم یعنی جناب شیخ ابو الرضا محمد صاحب کے فرزند رشید انتقال کر گئے۔ اور اس کے کچھ عرصہ کے بعد جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کی والدہ مکرمہ یعنی آپ کے برادر کلاں شیخ صلاح الدین صاحب کی حقیقی والدہ فوت ہو گئیں۔ زاں بعد خود جناب شیخ عبد الرحیم صاحب قدس اللہ سرہٗ مختلف بیماریوں میں مبتلا ہوئے اور سخت ضعیف و ناتواں ہو گئے چنانچہ کچھ عرصہ بعد آپ بھی انتقال فرما گئے۔ [1]

بیعت چودہویں سال جبکہ آپ علوم دینیہ سے بخوبی واقف ہو گئے والد بزرگوار نے علوم باطنی کا شرف آپ کو عطا کرنا چاہا چنانچہ ... جواں ہمت، نوجوان ولی اللہ نے پندرہویں سال والد ماجد سے بیعت کر کے اشغال صوفیہ خصوصاً نقشبندیہ میں اپنا بیش قیمت وقت صرف کرنا شروع کر دیا۔ والد کے پاک انفاس اور اپنے تقوی اور طہارت سے اس کمال میں اسقدر ترقی کی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں عرفان کے اعلیٰ مدارج طے کر لئے اور والد بزرگوار کی جانب سے بیعت وارشاد کی اجازت عطا فرما دی گئی۔ پھر جب ۱۱۴۳ھ میں آپ حج کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت ابو طاہر مدنی رح کی جانب سے آپ کو خرقہ عنایت کیا گیا جو تمام خرقہائے صوفیہ کو حاوی تھا۔ [2]

---

[1] حیات ولی ص ۲۲۳ و ص ۲۲۴۔ [2] دیباچہ آیات اللہ الکاملہ و حیات ولی

تدریس | پندرہویں سال جب کہ آپ کتب مروجہ کے درس سے فارغ ہو گئے تو والد بزرگوار نے آغاز تدریس کی تقریب میں علماء اور مشائخ کرام کا ایک اجتماع کیا۔ جس میں رسم دستار بندی... کی ادائیگی کی گئی اور آپ کے لئے دعار برکت و ترقی کی گئی [۱]

والد صاحب کی وفات کے بعد "مدرسہ رحیمیہ[۲] میں جس کی بنیاد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب ڈال گئے تھے طلبہ کو درس دینا شروع کیا" اور پورے بارہ سال تک اس استغراق اور محویت کے ساتھ مصروف رہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی [۳]

سفر حج | پھر آپ کو حرمین شریفین کی زیارت نیز وہاں کے مشائخ اور علماء سے کسب کمالات کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اخیر ۱۱۴۳ھ میں خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر کامل ایک سال تک مکہ معظمہ کی مجاورت اور مدینہ طیبہ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہوئے شیخ ابو طاہر قدس اللہ سرہٗ اور دیگر مشہور اور نامور مشائخ عرب سے آپ نے

---

[۱] حیات ولی صفحہ ۲۲۵۔ [۲] ہندوستان میں اُس وقت تک فقہ، تصوف، اور معقولات کا رواج بہت تھا اور حدیث کا چرچہ کم تھا۔ گیارہویں صدی ہجری میں صرف شیخ عبد الحق صاحب محدث دھلوی جنہوں نے حدیث کی اشاعت درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ کی۔ مگر ان کے بعد اس سلسلہ میں کچھ ترقی نہ ہوئی۔ بارہویں صدی کے آغاز یا گیارہویں صدی کے اختتام پر حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز نے پرانی دہلی میں اس مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا۔ جو اب مہندیوں کے نام سے مشہور ہے اور اس کا نام مدرسہ رحیمیہ رکھا (حیات ولی صفحہ ۲۲) [۳] حیات ولی صفحہ ۲۳

روایت حدیث کی سند حاصل کی اسی اثنا میں آپ چند روز تک سید البشر، فخر موجودات علیہ افضل التحیات والصلوٰۃ کے روضۂ منورہ کے مجاور رہے اور انتہا سے زیادہ فیض حاصل کیا[1]

"مدینہ طیبّہ کے اساتذہ اور مشائخ جن سے حضرت شاہ صاحب نے روایت کتب احادیث کی اجازات[2] حاصل کی"

(۱) جناب شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی۔ مدنی۔ آپ کے سامنے صحاح کی

---

[1] حیات ولی ص۲۳۳ [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سب سے مقدم اور اہم چیز سند ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اساتذہ کا سلسلہ" جو شخص بھی "حدیث شریف" کی کوئی کتاب پڑھائے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اساتذہ کا سلسلہ بیان کرنا پڑتا ہے اور ہر کسی محدث کا اپنے کسی شاگرد کو درس حدیث اور روایت حدیث کی اجازت دیدینے کو اجازت کہا جاتا ہے۔ اجازت ایسے ہی شاگرد کو دیجاتی ہے جو درس حدیث کا اہل ہو۔ اس میں خاص احتیاط سے کام لیا جاتا ہے" بلاشبہ یہ امتیاز خاص امت محمدیہ ہی کو حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی سندیں محفوظ ہیں۔ اور جو اساتذہ اس سلسلہ میں واقع ہوئے ہیں وقت اپنے زمانہ کے متبحر عالم، پاک باطن، اولیاء اللہ ہوئے ہیں جنہوں نے پوری توجہ سے احادیث کو سمجھا اور نہایت دیانتداری سے ان کو نقل کیا۔ مثلاً خاکسار کے اساتذہ سیدنا شاہ ولی اللہ صاحبؒ تک حسب ذیل ہیں" حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری حضرت علامہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب

حاشیہ بقیہ صفحہ ۳۴" بانی دار العلوم دیوبند اور حضرت امام ربانی، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح پھر حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ پھر حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی پھر حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز خلف الرشید حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز، پورا ہندوستان جانتا ہے کہ یہ حضرات اپنے زمانہ کے برگزیدہ اور بہترین انسان تھے۔ یہی شان ان کے اساتذہ کی بھی ہے۔ مگر چونکہ وہ حضرات ہندوستان میں نہیں رہے اس لئے ان کا نام ہندوستان میں مشہور نہیں" ۱۲

قرأت کی اور اجازت حاصل کی۔ آپ اپنے کمالات میں دیگر مشائخ کی بہ نسبت خصوصی امتیاز رکھتے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح کو بھی دیگر اساتذہ کی بہ نسبت آپ سے خاص تعلق تھا۔ شیخ ابو طاہر رح بھی شاہ صاحب کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے اور آپ پر فخر کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے "ولی اللہ" لفظ کی سند مجھ سے لیتا ہے اور میں معنی کی سند اس سے حاصل کرتا ہوں"۔ ےہ

(رمضان ۱۱۴۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی" (حیات ولی")

اس جملہ سے دونوں باکمال بزرگوں کے کمالات اور باہمی تعلق کا بہت کافی اندازہ ہو سکتا ہے"

(۳) جناب شیخ محمد وفد اللہ صاحب ابن شیخ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی رحمہم اللہ" شاہ صاحب نے آپ سے موطا یحییٰ بن یحییٰ اور جملہ مرویات

ےہ احقر نے اپنے اساتذہ سے بھی سنا ہے اور مولانا خلیل احمد صاحب مترجم حجۃ اللہ البالغہ نے بھی شاہ صاحب کے حالات میں لکھا ہے۔ ۱۲

شیخ محمد بن محمد کی اجازت حاصل کی لہ (۳) شیخ تاج الدّین قلعی حنفی، (حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں)۔ شیخ تاج الدین قلعی کی مجلس میں بخاری شریف کے درس میں دو تین روز تک حاضر ہوتا رہا۔ صحاح ستہ کے بعض بعض مشکل مقامات۔ موطا امام مالک، موطا امام محمد، مسند دارمی اور کتاب الآثار امام محمدؒ کی سماعت کی جس وقت آپ نے ان تمام کتابوں کی اجازت جملہ اہل درس کو دی۔ فقیر بھی اُس جماعت میں داخل تھا۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے خصوصیت کیساتھ زبانی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اور تحریری بھی لہ

(سنہ ۱۱۴۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی) (ان بزرگوں کے حالات "حیات ولی" میں ملاحظہ فرمائیے۔")

سفرِ حجاز سے واپسی حضرت شاہ صاحب جب علماء حرمین سے اسناد حاصل کر چکے اور مشائخ صوفیہ سے فیض صحبت حاصل کر چکے تو اُخیر ۱۱۴۴ھ میں دوبارہ ارکان حج ادا کئے اور ابتدا ۱۱۴۵ھ میں وطن مالوف کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ۱۴ رجب بروز جمعہ بصحت و عافیت دھلی میں رونق افروز ہوئے۔ ۳ے

عِلمی خدمات، ایک چیز آسان ہوتی ہے مگر حالات کی ناموافقت اور ماحول کی مخالفت سے دشوار اور دشوار تر ہو جاتی ہے۔

مصنف حیات ولی نے عِلمی خدمات کے سلسلہ میں چند سطریں تحریر کی ہیں۔

لہ حیات ولی ۲ے حیات ولی ص۲۳۶ و ص۲۳۹۔ ۳ے حیات دلی ص۲۶۱

(سفر حجاز سے واپسی پر) آپ نے مدرسہ رحیمیہ میں قدم رکھا اور علم حدیث کے درس میں مشغول ہو گئے۔ سیکڑوں طالبان حدیث ایک ایک وقت میں علم حدیث پڑھتے اور اجازت اور سند حاصل کر کے واپس جاتے۔ غرضکہ شاہ صاحب اس شان و شوکت سے ایک زمانہ تک علم حدیث کی درس و تدریس کرتے رہے، اور اس استغراق اور محویت کے ساتھ کہ دن کے بہت تھوڑے حصہ میں وعظ۔ افتا۔ اور فصل خصومات میں مصروف رہتے۔ اور باقی اوقات درس طلبہ اور تکمیل تلامذہ میں صرف کرتے"۔ ملنے جلنے والوں اور باہر سے آمد و رفت کرنے والوں کو رات دن میں کوئی ایسا موقعہ بہت ہی مشکل سے ملتا۔ جس میں آپ ان باتوں سے خالی نظر آتے اب کے علمی تبحر کا ستارہ اور بھی چمک گیا تھا اور حدیث کے اصل جاہ و جلال کا گھر ہی ایک جلیل القدر خاندان تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس وقت جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی ڈالی ہوئی بنیادیں آسمان تک پہنچ گئی تھیں اور شاہ صاحب کی کوششوں سے یہ بیت العلم عجیب شان و شوکت اور سج دہج سے آراستہ ہو گیا تھا۔ [۱]

الفاظ اگرچہ شاندار ہیں مگر افسوس فریضہ مورخ کی ادائیگی سے قاصر ہیں۔ اپنے زمانہ کے حالات پر نظر کرتے ہوئے۔ علمی خدمات کے انہماک اور مشغولیت کے سوا کسی صعوبت کا اندازہ نہیں ہوتا:۔

آسان کو مشکل قرار دینا۔ بیشک تاریخ نویس کے لئے ناجائز ہے۔ مگر

---

[۱] حیات ولی صد ۲۶۱

دشوار کی دشواری سے چشم پوشی، ماحول کی صعوبت سے بے التفاتی بھی تاریخ نویس کا وہ قصور ہی جو آنے والی نسلوں کو گمراہ کر دیتاہی اپنی طرح اپنے بزرگوں کے کارناموں کو بھی آسان اور سہل سمجھ کر اپنے لئے تن آسانی کو جائز قرار دینے لگتے ہیں اور اس طرح ایثار اور قربانی کی روح رفتہ رفتہ فنا ہو جاتی ہی۔ جو کسی ملت کے لئے ہیبتناک آفت ہے۔!

ہم حضرت شاہ صاحب کی علمی خدمات کے متعلق مصنف "حیات ولی" کے الفاظ کو بجنسہ برقرار رکھتے ہوئے محض اُس ماحول کو بیان کرنا چاہتے ہیں جس کے اندر حضرت شاہ صاحب نے یہ خدمات انجام دیں" واللہ المعین

اس میں شک نہیں کہ سلطان عالمگیرؒ کے عہد حکومت تک ہندوستان کی عام آبادی تعلیم یافتہ ہوتی تھی۔ حکومت کی جانب سے اتنے وسیع پیمانہ پر تعلیم کا انتظام ہوتا تھا کہ اگر آج غیر ہندوستانیوں کی شہادتیں موجود نہ ہوتیں تو اس قدر وسیع نظام تعلیم کو سراسر مبالغہ کہا جاتا ؂ مثلاً مورخ اسلام، علامہ مقریزی جو ہندوستان کی سیاحت کے لئے تشریف لائے تھے اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں" شاہ محمد تغلق کے زمانہ میں صرف دلی شہر میں ایکہزار مدارس تھے" اورنگ زیب عالمگیر کا عہد حکومت جو موجودہ حکومت اور اس کے ہواخواہوں کی نگاہ میں سب سے زیادہ کھٹکتا ہی اور جس کو بدنام کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا جاتا ہے اس زمانہ میں بلکہ اس کے بہت بعد تک نظام تعلیم اس درجہ مکمل اور عام اور علوم و فنون کے ارتقاء کا منظر اِس قدر دلفریب تھا کہ یقیناً آج تک

انگریزی گورنمنٹ پیدا نہ کر سکی، چنانچہ پروفیسر "ماکس ملز" سرکاری کاغذات کی .... بنا پر لکھتا ہے کہ برطانوی حکومت سے قبل بنگال میں ۸۰ ہزار دیسی مدارس تھے اس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہوئے کہ آبادی کے ہر چالیس افراد کے لئے ایک مدرسہ قائم تھا"۔

ریونٹ وارڈ نے ۱۸۲۱ء میں بیان کیا تھا۔ "انڈیا ڈسٹرکٹ اسکولوں سے بھرا ہوا ہے وہاں ہر ۳۱ لڑکے پر ایک اسکول ہے"۔

"کپتان لگمنڈر ہیملٹن" اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے:۔
شہر ٹھٹھہ (سندھ) میں چار سو کالج مختلف علوم و فنون کے تھے۔ ۱ء"۔
لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان مدارس میں علوم دینیہ کی تعلیم کا مدرسہ ایک بھی نہ تھا۔ سلاطین مغلیہ سے پیشتر افغانوں کے عہد میں ممکن ہے مدارس دینیہ ہوں اور محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں دلی کے ایک ہزار مدارس میں سے کچھ مدارس میں علوم دینیہ کی تعلیم ہوتی ہو۔ لیکن مغلیہ سلطنت کا سنگ بنیاد، عام رواداری بلکہ ہندو نوازی تھا۔ آپ کو یہ جملہ نہایت ہی عجیب معلوم ہو گا۔ مگر آپ شاہ "بابر" بانی عہد مغلیہ کی وصیت کو غور سے ملاحظہ فرمائیے (جس کو ڈاکٹر بال کرشن پرنسپل "راجہ رام کالج" کولہاپور نے فارسی زبان کی ایک قدیم تحریر سے نقل کر کے "ہسٹاریکل سوسائٹی" میں چھپوانا چاہا تھا۔ اور جو اخبار خلافت نمبر ۱۹۰ ماہ اگست ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی تھی"۔

۱ء تعلیمی ہند" مجموعہ یادداشت حضرت مولانا حسین احمد صاحب ج ۲ ص ۳۲

خفیہ وصیت شہنشاہ ظہیر الدّین محمد بابر بادشاہ غازی بنام شہزادہ نصیر الدین محمد ہمایوں۔ محررہ برائے استحکام و استقامتِ سلطنت

"اے پسر، سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے، الحمد للہ کہ اوس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبی کو لوح دل سے دہوڈالو اور عدل و انصاف میں ہر مذہب و ملت کے طریق کا لحاظ رکھو، جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں پر قبضہ نہیں کرسکتے اس ملک کی رعایا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ سے مرہون ہوتی ہے۔ جو قوم و ملت قوانین حکومت کی مطیع اور فرماں بردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کئے جائیں، عدل و انصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے۔ ظلم و ستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے۔ !!! شیعہ و سُنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو، ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا۔ جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد و اتفاق سے کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح مختلف المذاہب رعایا کو ملا جُلا رکھو اور ان میں اتحاد عمل پیدا کرو، تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے۔ سرگذشت تیمور کو جو کہ اتحاد و اتفاق کا مالک تھا۔ ہر وقت اپنی نظر کے سامنے

رکھو تاکہ نظم ونسق کے معاملات میں پورا تجربہ ہو"..!!!
خلافت[1] ۱۹۰ نمبر، اگست سنہ ۱۹۲۶ء

بابر کے بعد ہمایوں کو اطمینان سے حکومت کرنے کا زیادہ موقعہ نہیں ملا۔ جس مغل بادشاہ نے پہلی مرتبہ شان وشوکت اور اطمینان کیساتھ حکومت کی وہ شہنشاہ جلال الدین اکبر تھا" اکبر نے نہ صرف یہ کہ دادا کی وصیت پر عمل کیا بلکہ اس سے بھی بہت کچھ آگے بڑھ گیا۔ اس نے مذہب سے زیادہ ملک کا احترام کیا۔ صورت، سیرت، رسم و رواج میں وہ ہندوؤں کا مثنیٰ تھا۔ شام[3] کے وقت چراغ کی پوجا صبح کے وقت درشن۔ وغیرہ کی تصدیق مطلوب ہو تو آئین اکبری" ملاحظہ فرمائیے"۔ بابر نے اتحاد واتفاق کی وصیت کی تھی مگر اکبر نے قرابت کا

---

[1] منقول از قلمی یادداشت سیدنا شیخ الہند حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہٗ

[2] ۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے بجائے جب ہندوستان حکومت برطانیہ کے حوالہ کیا گیا تو ایک طرف ہندوستان میں وکٹوریہ آنجہانی کی طرف سے جملہ مذاہب کی آزادی اور تحفظ کا اعلان ہو رہا تھا۔ اور اُن ہی دنوں میں مسٹر مینگلس نے پارلیمنٹ کے دار العوام میں تقریر کی تھی" خداوند تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ سلطنت ہندوستان، انگلستان کے زیرِ نگیں ہے۔!! تاکہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دُوسرے سرے تک لہرائے ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت تمام ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کردینی چاہئے اور اس میں کسی طرح تساہل نہ کرنا چاہئے" حکومت خود اختیاری ص۹۶ "ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ ۱۲

[3] چراغ پرستی کی تاویل ملاحظہ ہو" شعلہ ازاں سرچشمہ الٰہی نور ست ونشان آں گوہر قدسی۔ آئین اکبری ص۲۵ ج ۱

سلسلہ بھی قائم کر دیا جس کے جواز کی دلیل آج تک مشتبہ ہی۔ جہاں گیر اور شاہجہان اگرچہ اکبر کی طرح نہیں تھے۔ مگر بابر کے وصیت نامہ سے اُنکے عمل میں سَر مو فرق نہ تھا۔ ہندو راج کماریوں سے شادی کرنے کی اکبری سنت پر یہ ہی عمل پیرا رہے۔ سلطان عالمگیر رح کو بہت کچھ متعصب کہا جاتا ہے مگر مسٹر آرنلڈ کا بیان خاص طور پر قابل توجہ ہی کہ "اورنگ زیب" کے فرامین اور مراسلات کے ایک عہ قلمی مجموعہ میں جو ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے مذہبی آزادی کا وہ جامع و مانع اصول درج ہے جو ہر ایک بادشاہ کو غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ برتنا ضروری ہے۔ جس واقعہ کے متعلق یہ اصول بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ عالمگیر کو کسی شخص نے عرضی دی۔ کہ پارسی ملازموں کو جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے۔ اس علت میں برخاست کر دیا جائے کہ وہ آتش پرست ہیں۔ اور ان کی جگہ کسی تجربہ کار معتبر مسلمان کو مقرر کیا جائے کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ

(اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت جانو)

عالمگیر نے عرضی پر حکم لکھا کہ مذہب کو دنیا کے کاروبار میں دخل نہیں ہے اور نہ ان معاملات میں تعصب کو جگہ مل سکتی ہی۔ اور اس قول کی تائید میں یہ آیت نقل کی۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (تم کو تمہارا دین اور ہم کو ہمارا دین) بادشاہ نے لکھا کہ جو آیت عرضی نویس نے نقل

عہ مترجم "دی پریچنگ آف اسلام" لکھتے ہیں۔ اس مجموعہ کا قلمی نسخہ مولوی عبدالسلام خانصاحب کے پاس ہی۔ میں خانصاحب ممدوح کا مشکور ہوں کہ انھوں نے یہ قلمی نسخہ

نقل کی ہی اگر سلطنت کا یہی دستور العمل ہوتا۔ تو ہم کو چاہیئے تھا کہ اس ملک کے سب راجاؤں اور ان کی رعیّت کو غارت کر دیتے۔ مگر... یہ کس طرح ہو سکتا تھا۔ بادشاہی نوکریاں لوگوں کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے موافق ملیں گی اور کسی لحاظ سے نہیں مل سکتیں۔... لہ

سلاطین مغلیہ سے پیشتر دہلی کے دُوسرے بادشاہوں کی متعلق "مسٹر آرنلڈ" موصوف فرماتے ہیں۔ ہندوستان کے ان مسلمان فاتحوں کے دل میں کوئی ایسا خیال" جسکو دُوسرونکی آخرت کی بھلائی چاہنے کا خیال" کہتے ہیں موجود نہیں تھا۔ جو مذہب کے ہر سچے داعی کے دل میں ہوا کرتا ہے۔ اور جس نے خود اسلام کی اشاعت میں بڑے بڑے کام کیئے ہیں۔ خلجی سنہ ۱۲۰۹-۱۳۲۰ء۔ اور تغلق سنہ ۱۳۲۰-۱۴۱۲ء اور لودی بادشاہ سنہ ۱۴۵۱-۱۵۲۶ء لڑائیوں میں عموماً ایسے مصروف رہے۔ کہ اسلام کو ترقی دینے کی ان کو

لہ دعوت اسلام ص۲۷۰ ترجمہ دی پریچنگ آف اسلام مصنفہ ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ۔ بی۔ اے۔ یہ شخص نہایت موذی عیسائی ہے۔ اس قسم کے تاریخ نویس عیسائیوں کا طریقہ ہے کہ دس چیزیں تعریف کی لکھہ کر ایک چیز اعتراض کی لکھہ دیتے ہیں۔ جو دودھ میں زہر کا کام کرتی ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں جگہ جگہ یہ چیز موجود ہے۔ بھولا مسلمان دس تعریفوں کو دیکھ کر ایسے شخص کی عزت کرنے لگتا ہے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اعتراض بھی اس کے ذہن نشین بلکہ اس طرح پیوست ہو جاتا ہے کہ جسکا نکالنا مشکل پڑتا ہی۔ کیونکہ وہ اُس مصنف کو منصف مزاج سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ وہ کٹر متعصب ہوتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے نوجوان گریجویٹ عموماً اسی دام فریب کے شکار ہیں۔ مسٹر آرنلڈ...... کے تعصب کا انداز آئندہ ہوگا۔ انشاء اللہ۔

مہلت نہ ہوئی۔ لوگوں کو مسلمان کرنے کی جگہ ملکوں سے خراج وصول کرنے کا خیال ان کو زیادہ رہا۔ ؎۱

سر الفرڈ لائل نے لکھا ہے۔ "جو فاتحین اسلام شمالی ہند میں شاہی خاندانوں کے بانی ہوئے یا جنہوں نے دکن میں اسلامی سلطنتیں قائم کیں انکو مذہب کی کچھ پروا نہ تھی۔ اُن میں اکثر ایسے تھے جن کو تبلیغ مذاہب کی مہلت ہی نہ ملی۔ کیونکہ یا تو ملک فتح کرنے میں ان کا وقت صرف ہوا یا خانہ جنگیوں سے انکو فرصت نہ ہوئی۔ یہ مسلمان فاتح اکثر وحشی مغل یا تاتاری ہوتے تھے۔ پیغمبر عرب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین پر خود ان کو استحکام نہ تھا اور وہ جوش اور ولولہ جو سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد کا خاصہ ہے اور جس کا نمونہ عرب کے قدیم علم برداران اسلام نے دکھایا تھا۔ اُن کو چھو تک نہ گیا تھا۔ جو سلطنت انھوں نے قائم کی اس کی حیثیت ہمیشہ جنگی سلطنت کی رہی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ملکی فتوحات ان سے کبھی تکمیل کو نہ پہونچیں، اور تبلیغ اسلام میں ان کو عموماً ناکامی رہی (چند سطر بعد فرماتے ہیں) ہندوستان کی رعایا کو مسلمان بنانا تو چیز دیگر تھا۔ اُن سے اتنا بھی نہ ہوا کہ مسلمان مسلمان ہونے کی وجہ سے تمام بادشاہی عہدوں پر بلا شرکت غیرے متصرف ہو سکتے ؎۲

علامہ شبلی رح فرماتے ہیں۔ اسلامی شعار بالکل مِٹ گئے تھے۔!

؎۱ دعوت اسلام ترجمہ دی پریچنگ آف اسلام ص۲۷۶۔ ؎۲ سر الفرد لائل ایشیاٹک سٹڈیز ص۲۸۹ مطبوعہ لندن ۱۸۸۲ء بحوالہ دعوت اسلام ترجمہ پریچنگ آف اسلام

عام دربار کا لباس گھیردار پاجامہ اور ہندوانی پگڑی تھی۔ راجاؤں کی طرح سلاطین زیور پہنے ہوئے تھے۔ دربار میں سلام وغیرہ کے بجائے سجدہ، ماتھا ٹیکی رائج تھی۔ یہ بے غیرتی اس قدر بڑھی کہ بے غیرت مسلمانوں نے ہندوؤں کو لڑکیاں دینی شروع کر دیں[۲]۔ اس قسم کے اصول اور حالات کا نتیجہ یہ تھا کہ عام ملکی ضروریات کے ماسوا خالص مذہبی درسگاہوں کے قیام کی طرف ان بادشاہوں کی توجہ منعطف ہی نہ ہوئی۔ خصوصیت سے مغل بادشاہ تو اس لئے بھی ہندوؤں سے ساز رکھنے پر مجبور تھے کہ وہ ابتداہی میں دیکھ چکے تھے کہ افغانوں نے منظم ہو کر شیر شاہ سوری کے زیر قیادت ہمایوں کو ہندوستان سے باہر نکال دیا تھا۔ اور چند ماہ کی مدت میں کابل سے لیکر کلکتہ تک کی حکومت کے پرخچے اڑا ڈالے تھے۔ ان لوگوں نے آئندہ کے لئے حکومت کا طریقہ ہی ایسا قایم کیا جس میں ہندو برابر کے شریک تھے۔ ہر زمانہ کے منصب داروں پر نظر ڈالئے۔ آپ کو اس کی تصدیق ہو جائے گی۔ انتہا یہ کہ عالمگیرؒ جیسے بدنام بادشاہ کے زمانہ میں بھی ۲۶ ارکان دولت ہندو تھے۔[۳]

اچاریہ سر۔ سی۔ پی رائے نے مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کی جلسے میں صدارتی تقریر کرتے ہو فرمایا تھا۔

بنگال برطانوی حکومت کے بجائے اسلامی عہد میں بہت زیادہ خوشحال تھا۔ اورنگ زیب کے متعلق اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے

---

[۲] اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ص۵۲ [۳] اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر۔

کہا۔ میں سَر جادو ناتھ سرکار، ڈاکٹر موجمدار مورخ تاریخ ڈھاکہ یونیورسٹی اور بہت سے دیگر اشخاص سے جنہیں تاریخ ہند میں ماہر مانا جاتا ہے۔ دریافت کرتا ہوں کہ کیا وہ کوئی ایک مثال بھی دکھا سکتے ہیں کہ شہنشاہ اورنگ زیب نے بنگال کے ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا ہو۔

پھر فرمایا۔ اورنگ زیب کے عہد ہی میں بنگال کے ہندوؤں کو منصب داری اور بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں اور بڑے بڑے زمیندار بنا دیئے گئے۔ اورنگ زیب نے ہندوؤں کو گورنر بنایا۔ گورنر جنرل بنایا۔ ویسرائے بھی بنایا۔ جرنیل اور کمانڈر انچیف بھی بنایا یہانتک کہ اُس نے خالص اسلامی صوبہ افغانستان پر بھی جو نائب السلطنت (ویسرائے) مقرر کیا تھا وہ ہندو راجپوت ہی تھا۔

کیا برطانیہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وسیع القلبی، شرافت اور بخششوں کا ہزارواں حصّہ بھی دکھا سکتی ہے۔ مگر آج اورنگ زیب کو سیاسی مورخین متعصب کہہ رہے ہیں۔ سیواجی کے مقابلہ پر راجہ جے سنگھ تھے جنہیں ایک ہندو سَردار سیواجی کی بغاوت کا قلعہ قمع کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

مہاراجہ جے سنگھ نے اس بات کی بار بار شکایت کی۔ اس مہم میں دکن کے مسلمان کمانڈر اور مسلمان سَرداران اُن کی (راجہ جے سنگھ) کی امداد نہیں کرتے۔ مدینہ مورخہ ۵ رجون ۳۷ء

بیشک عالمگیر رح نے علماء کو مجتمع کر کے فتاوی ہندیہ مرتب کرایا۔

جس پر دو لاکھ روپیہ صرف کیا لیکن کسی جامعہ یا دار الحدیث کی بنیاد عالمگیر نے بھی نہ ڈالی۔ مندروں، مساجد اور مقابر کے نام جاگیریں ضرور وقف کیں۔ مگر علم کی ضرورت بدستور تشنہ کام رہی۔

اسپین کے چھوٹے سے ملک میں صرف پانسو برس عربوں کی حکومت رہی۔ وہاں کی یونیورسٹیوں اور کتب خانوں کا ذکر آج بھی زبان زد ہے۔ ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کی حکومت کامل ایکہزار برس تک رہی۔ لیکن اگر ہم کسی "دار الحدیث یا اسلامی کتب خانہ کو تلاش کریں تو کیا کامیاب ہو سکتے ہیں؟

دُوسرا سبَبُ

مَدارِس کے بجائے خانقاہیں

عربی تعلیم کی طرف مسلمان بادشاہوں کی توجہ نہ کرنیکا ایک سبب اور بھی ہے جس کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔ ❊ • ❊ • ❊ •

اسلام کی اصل مبلغ صاحب باطن علماء تھے، اسلامی سلطنت سے پیشتر ان ہی حضرات کے انفاس قدسیہ نے دلوں کے زنگ کو دور کیا ہر قسم کی شان و شوکت اور سطوت سے بے نیاز ہو کر یہ حضرات ہندوستان کے گوشوں میں پہونچے۔ اور کفر شرک تیرہ و تاریک جھنڈوں میں چشمۂ حیواں بن کر بہنے لگے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت

سے ان حضرات نے صفہ کا نقشہ حاصل کر لیا تھا۔ اُسی نمونہ پر خانقاہوں
کی بنیادیں رکھی گئیں۔ خانقاہیں، اہل اللہ کی پناہ گاہ تھیں جنکا مقصدِ
اعظم بظاہر تزکیہ نفس ہوتا تھا۔ مگر اصحاب صفہ کی طرح وہ ظاہری تعلیم
بھی اُسی تربیت گاہ میں حاصل کرتے اور اسی کمین گاہ سے وہ جہاد
فی سبیل اللہ کی تدبیریں سوچکر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی
مبارک زندگیوں کی تاریخ اہل ہند کے سامنے دُہراتے اور بڑے بڑے
معرکوں میں جام شہادت نوش فرماکر شوق و ذوق کی تشنگی کو سیراب
کرتے (تفصیلات کے لئے حصہ دوم کا انتظار فرمائیے۔ خدا جلد اس کی اشاعت
کی توفیق عطا فرمائے۔)

حضرت شیخ اسمٰعیل صاحب بخاری۔ خواجہ بہاؤ الحق ملتانی۔ بابا فرید۔
پاک پٹنی۔ بابا فرید شکر گنج، خواجہ معین الدین صاحب چشتی اجمیری "
مولینا تاج محمد صاحب فقیہہ۔ مخدوم الملک بہاری، بو علی شاہ قلندر
جیسے سیکڑوں بزرگ جو ہندوستان کے گوشوں میں آرام فرمارہے
ہیں۔ اُن کی عظیم الشان خدمات آج تک ہندوستانیوں کو اپنا گرویدہ
بنائے ہوئے ہیں"!

خانقاہوں کا اثر سیاست پر چونکہ ان ہی خانقاہوں کی آبشاروں
سے اسلام اور ایمان کی شادابی حاصل کی گئی تھی اس لئے عام مسلمانانِ ہند
کا ایمانی اور اعتقادی تعلق اِن ہی خانقاہوں اور ان کے مشائخ
سے تھا۔ اور ملازمت کے سلسلہ میں خواہ وہ کسی کے وفادار ہوں۔ مگر
مذہبی معرکوں میں وہ صرف ان خانقاہوں کے ہی حلقہ بگوش ہوتے تھے۔

اور اس حلقہ بگوشی پر ان کی ہر ایک وفاداری قربان ہوا کرتی تھی۔!
اس ربط و ارتباط کا نتیجہ یہ تھا کہ عام مسلمان اپنا حقیقی بادشاہ ان علماءُ اور مشائخ ہی کو مانتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے لئے "شاہ" کا لفظ انتخاب کیا تھا اور ملک کے بادشاہ کی حیثیت صرف ایک سیاسی کمانڈر کی مانی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں ان خانقاہوں کے ذریعہ سے مسلمان فاتحین کو بہت کچھ امداد حاصل ہوئی تھی' ان حضرات نے انفرادی طور سے ہندوستان پہونچکر بہت بڑی حد تک اُن کے لئے میدان ہموار کر دیا تھا۔
مثلاً سیدنا حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ شہاب الدین غوری فاتح دہلی کی آمد سے بیس سال پیشتر تشریف لاکر دہلی اور اجمیر میں اسلام کا تعارف کراچکے تھے۔ آپ کی جدّ و جہد سے جو عام دلچسپی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ حاصل ہوگئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب آپ دہلی سے اجمیر تشریف لے گئے تو راستہ میں سات سو ۷۰۰ ہندو مشرف باسلام ہوئے [۱]
سید سالار مسعود غازی، مولانا تاج محمد صاحب فقیہ، مولینا مشرف الدین صاحب منیری جیسے سیکڑوں مشائخ ہیں جو بسا اوقات خانقاہوں سے نکل کر ہندو راجاؤں کی ریاستوں پر حملہ آور ہوتے تھے اور ان کی قوت و شوکت کو مجروح کر دیا کرتے تھے۔ آنے والے فاتح بادشاہ کے لئے ان حضرات کے یہ انفرادی جہاد شبخوں کا کام دیا کرتے تھے بہرحال اسی قسم کے حالات کا یہ اثر تھا کہ مسلمان بادشاہ ان مشائخ کا پورا

[۱] دعوت اسلام صد ۲۹۵

احترام کرتے تھے بلکہ اکثر و بیشتر وہ اپنے وقت کے کسی بزرگ کے حلقہ ارادت میں باقاعدہ داخل ہوتے تھے یہی سبب تھا کہ سلطنت کی شان اس میں مانی جاتی تھی کہ مشائخ اور خانقاہوں کے وظائف مقرر ہوں، بڑی بڑی جاگیریں ان کے لئے وقف ہوں۔ مساجد بنوائی جائیں اور ان کے ائمہ کے وظائف مقرر ہوں وغیرہ وغیرہ پھر چونکہ شاہان مغلیہ کا اسلام اسی قسم کی خانقاہوں اور مشائخ کے مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا (فرق یہ تھا کہ وہ مشائخ ہندوستان کے نہیں تھے) تو اس کا نتیجہ یہ تھا کہ شاہان مغلیہ کو خانقاہوں اور درویشوں سے اور بھی زیادہ تعلق رہا

خانقاہوں کا فساد

دولت اور اقتدار، فتنہ اور فساد کے دو تخم ہیں جو خلوص اور صداقت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں اور انکی جگہ فریب، مکر، اور ریا کے اونچے اونچے نمائشی محل تعمیر کرنے لگتے ہیں

جب تک ہندوستان میں خانقاہوں اور مشائخ کو غیر مسلم اقوام کے اقتدار و تسلط سے دوچار ہونا پڑا تو لامحالہ۔ وہی لوگ خانقاہوں کا رخ کرتے تھے۔ جن کی صادق نیت اور مقدس ارادے قربانی، ایثار، اعلاء کلمۃ اللہ اور ترقی اسلام کے لئے مضطرب ہوتے تھے لیکن جب مقابل کا خوف ختم ہوا تو جذبات فدائیت بھی ختم ہونے لگے اور اقبالمند بادشاہوں کی توجہات نے ہر جھوٹے اور ریا کار مدعی کے لئے خانقاہوں کو سونے کا گنبد بنا دیا۔ پہلے خانقاہیں، ریاضت، جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قائم کی جاتی تھیں، اب حرص و آز، کی

ناپاک مورتیوں کی پرستش کے لئے ان کا قیام ہونے لگا۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس وقت خانقاہیں عموماً اسی ابتری میں تھیں جھوٹے مشائخ کے ڈھکوسلوں نے طریقت اور معرفت کے حوض کوثر کو گندہ کر دیا تھا۔ علوی عزائم کے بجائے سفلی آرزوئیں، مطمح نظر بنگئی تھیں، نئے نئے طریقے ایجاد ہو رہے تھے اور وحدہٗ لاشریک کے پرستاروں کے لئے انوکھی مورتیاں تراشی جارہی تھیں۔ مثلاً

مشہد قدس واقع سلطنت ایران، کا ایک باشندہ میر محمد حسین نامی، بہادر شاہ اول کے زمانہ میں لاہور پہونچا اور کچھ چیلے چانٹے فراہم کرکے دعویٰ کیا کہ میں وہی **محسنؑ** ہوں جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر تھے۔ مجھے ایک ایسا مرتبہ عنایت کیا گیا ہے جو نبوت سے کم اور امامت سے بالا ہے، اس مرتبہ کا نام بیگوٹ ہے میں نواں بیگوٹ ہوں اور مجھ پر بیگوکیت اسی طرح ختم ہوئی، جس طرح حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت ختم ہوئی۔

اس نے اپنے چیلوں کا نام "فربود" رکھا۔ پانچوں نمازوں کے علاوہ کچھ اور طریقے ایجاد کئے۔ جن میں شش جہت کی عظمت کی جاتی تھی اور صبح شام عجیب طرح سے پرارتھنا یا سندھیا ہوتی تھی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ سیر المتاخرین) اس زمانہ میں ایک اور فرقہ پیدا ہوا اس کا نام امام شاہی یا رسول شاہی تھا۔ علماء کو یہ فرقہ مسجد کے مینڈھے اور شریعت کو محض ظاہر پرستی کہا کرتا تھا۔ طریقت کو تمام پابندیوں سے آزاد قرار

دیتا تھا۔ چاروں اَبْرُ صاف، شراب بھنگ وغیرہ کا عاشق (اس کی کچھ تفصیل حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ذکر میں آئے گی) شہنشاہ عالمگیر کے بعد وہ امرار دولت اور بادشاہ جنکی پیشانیاں سلطنت مغلیہ کے زوال کے کالے کلنک کی داغدار ہیں اس قسم کے مکار اور فریب باز صوفیوں کے کس قدر گردیدہ ہوتے تھے۔ اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے:۔

عماد الملک وزیر کی اغراض مشئومہ کا تقاضا ہوا کہ اپنے آقا، یعنی عالمگیر ثانی بادشاہ دہلی کو قتل کر ڈالے، اس نے مہدی علیخاں کشمیری کو بادشاہ کے پاس بھیجا۔ کہ فلاں مقام پر ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں اور وہ ایسے ہیں اور ویسے ہیں، بادشاہ سلامت بزرگ صاحب کی زیارت کو تن تنہا چل دیئے جب شہر کے باہر ایک کوٹھری میں داخل ہوئے جہاں کچھ غنڈے پہلے سے چھپا دیئے گئے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ درویش فرشتہ موت تھا۔ جس نے بادشاہ کی خدمت میں قتل کا تحفہ پیش کیا [۱]

نتیجہ کلام یہ کہ (۱) مسلمان باشاہوں کی توجہات مدارس عربیہ یا تعلیم عربی کی ترویج کی طرف اس لئے متوجہ نہیں ہو سکیں کہ ان کا اعتماد خانقاہوں پر تھا۔

(۲) خانقاہوں میں اولاً تزکیہ نفس اور علوم ظاہری کی تعلیم ہوتی تھی مشائخ۔ عموماً علمار ہوتے تھے جن سے علوم ظاہری حاصل کرنے کے لئے تلامذہ جمع ہو جاتے تھے اور شاہی عطایا اور جاگیریں جو اُن مشائخ یا خانقاہوں

[۱] سیر المتاخرین ۱۲۵

کے نام ہوتی تھیں اُنسے اُن تلامذہ اور مریدین کا تکفل ہوتا تھا۔ ان خانقاہوں کے مشائخ، تلقین، ذکر و اشغال کیساتھ علوم ظاہری کا درس بھی، دیا کرتے تھے۔ اور پھر تکمیل کے لئے بسا اوقات طلبہ علوم مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ یا دیگر ممالک کا قصد کرتے تھے۔

(۳) یہ سلسلہ تعلیم و تدریس انفرادی ہوتا تھا۔ مدارس کی شکل میں نہیں ہوتا تھا۔ (۴) اسلامی دولت کے اقتدار کیساتھ ساتھ جب ان خانقاہوں کو بھی اقتدار حاصل ہوا تو پاک باطن صوفیا اور اتقیا کی جگہ رفتہ رفتہ مکار اور فریب باز صوفیوں نے خانقاہوں پر قبضہ کرلیا تعلیم و تدریس ختم ہوئی کیونکہ وہ خود عالم نہ ہوتے تھے۔ بلکہ اپنی جہالت کو چھپانے کے لئے علم کو بیکار قرار دینے لگے اور اس کو "حجاب" کہنے لگے اپنی عیاشی کو چھپانے کے لئے شریعت کو معاذ اللہ ظاہری ٹیپ ٹاپ قرار دیکر طریقت کی نئی شان ایجاد کی اور پھر اگر کوئی عالم بھی ہوتا تو اس کی کوشش یہ ہوتی کہ وہ جو کچھ جانتا ہو اس کو عام نہ کرے ورنہ اس کی قدر جاتی رہے گی۔

سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی جدّ و جہد کا زمانہ وہی تھا جس میں اس قسم کے فتنوں کا زور تھا اس کا معمولی اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے (جس کو مصنف حیات ولی نے نقل کیا ہے) سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے گیارہ سو برس کے بعد سرزمین ہندوستان میں قرآن پاک کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔ لیکن جب اس کی اشاعت ہوئی تو ایک تہلکہ مچ گیا۔ کٹ ملانوں نے سمجھ لیا کہ

ہماری روزی کی عمارت ڈہادی گئی۔ اب جہلا کبھی قبضہ میں نہ آئینگے اور وہ
ہر بات پر بحث کرنے کو تیار ہوجایا کریں کے اس خیال نے ان کے دل میں
ایک آگ بھڑکادی اور علاوہ کفر کے فتوے دینے کے حضرت شاہ صاحب
کے جانی دشمن ہوگئے۔ اور اب ان میں مشورے ہونے لگے کہ شاہ صاحب کو
کیونکر قتل کیا جائے۔ ان کٹ ملانوں نے جن کا بہت کچھہ اثر شہر کے بدوضع
لوگوں۔ اکھاڑیوں۔ پٹے بازوں پر پھیلا ہوا تھا۔ چند بدمعاش جمع کئے اور
اب وہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تاک میں رہنے لگے۔ حضرت شاہ صاحب اپنے
اصلاحی مشاغل میں مصروف ان کو اس سازش کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔
ایک روز شاہ صاحب عصر کی نماز مسجد فتحپوری میں پڑھ رہے تھے۔ ابھی آپ
نے سلام پھیرا ہی تھا کہ دروازے پر سے شور وغل کی آوازیں آنے لگیں۔!
دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آوارہ گردوں کی جماعت ایک تباہ کن اور
مشئوم ارادہ سے حملہ آور ہونا چاہتی ہے:۔

حضرت شاہ صاحب کے ساتھ آپ کے چند خدام تھے اور یہ جماعت
بڑی تعداد میں تھی حضرت شاہ صاحب نے چاہا کہ کھاری باولی والے دروازہ
سے نکل جائیں مگر ان بدمعاشوں نے اس طرف آکر گھیر لیا۔ حضرت شاہ
صاحب کے پاس ایک چھڑی تھی۔ مگر خدا نے مخصوص جرارت عطا فرمائی تھی
آپ نے حملہ آوروں سے دریافت کیا کہ آخر آپ لوگ میرے قتل کے درپے
کیوں ہیں؟

"حملہ آوروں نے جواب دیا" تو نے قرآن پاک کا ترجمہ کرکے عوام کی..

نگاہ میں ہماری وقعت برباد کردی دن بدن ہماری روزی میں خلل پڑ رہا ہے اور معتقد کم ہوتے جا رہے ہیں اگر یہی حالت رہیگی تو ہماری آئندہ نسلوں کو کوئی کوڑی کو بھی نہ پوچھیگا۔ تونے نہ صرف ہمیں برباد کیا بلکہ ہماری اولاد کو بھی تباہ کر دیا۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا۔ یہ کس طرح ممکن ہو کہ خدا کی عام نعمت کو چند افراد یا ان کی اولاد کے لئے خاص کر دیا جائے۔ وہ ہر ایک کے لئے ہے۔ میں نے اس کو ہر ایک کے لئے عام کر دیا۔ کچھ دیر اس طرح ردو بدل ہوتی رہی۔ قریب تھا کہ حضرت شاہ صاحب کی شان میں کوئی مشؤم اقدام کریں کہ حضرت شاہ صاحب کے خدام نے بطور تحفظ جان تلواریں سوت لیں...! وہ اوباش جوان ملانوں کے ساتھ تھے دم نے کے لئے کب آمادہ تھے۔ تلواروں کی صورت دیکھتے ہی چھٹ گئے۔ حضرت شاہ صاحب خدا کے فضل وکرم سے حفظ وامان کے ساتھ مکان واپس آئے[1]۔ ان جاہل ملانوں اور صوفیوں کے کچھ اور واقعات سیدنا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے ضمن میں انشاء اللہ پیش کئے جائیں گے۔

بہرحال ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہو کہ جب ترجمہ قرآن پاک پر اس قدر غیض وغضب ہو تو کسی مدرسہ عربیہ کا قائم کرنا اور چلانا کسقدر کٹھن ہوگا۔ خصوصاً جب کہ نہ اُس میں کسی سید کی تخصیص ہو نہ شیخ کی نہ کسی قدیم الاسلام کو اس میں کوئی فوقیت حاصل ہو نہ کسی جدید الاسلام کی اُس میں توہین ہو۔ اسلامی مساوات کا ظل ہمایوں ہر چھوٹے بڑے

[1] حیات دلی ص ۲۳۱

امیر غریب کو ایک ہی لطف و کرم کے ساتھ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہو۔ چنانچہ اسی نمونہ پہ آج تک جانشینان ولی اللہ کے مدارس کام کر رہے ہیں وللہ الحمد

تیسرا سبب

شیعہ گردی

عربی تعلیم کی طرف سلاطین مغلیہ کے توجہ نہ کرنیکا سبب ایک اور بھی ہے جو درحقیقت نہایت تلخ حقیقت پر مبنی ہے:-

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا بانی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ ہے۔ لیکن ابھی اُس کی سلطنت نے ملک میں رسوخ حاصل نہ کیا تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہنا پڑا۔ اُس کے بعد اُس کا ولیعہد ہمایوں تخت نشین ہوا اس کی حکومت کو زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ شیر شاہ سوری نے افغانوں کو منظم کر کے اول صوبہ بہار سے اور پھر ہندوستان سے ہمایوں کو نکالکر دہلی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ ہمایوں نے ہندوستان کا تاج و تخت رقیب کے حوالہ کر کے ایران جا کر پناہ لی جو تشیع کا مرکز تھا۔ دس بارہ سال وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد ایرانی فوج ہمراہ لیکر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔

عل؎ ایران کا بادشاہ اس زمانہ میں شاہ طہماسپ صفوی تھا۔ اس کا باپ اسمٰعیل صفوی خاندان صفویہ کا پہلا تاجدار تھا جس نے ایران پر پوری طرح تسلط جمایا تھا، یہ اگرچہ شیخ الدین الحق اُردبیلی کی اولاد میں سے تھا۔ جو چند واسطے سے حضرت

شیر شاہ سوری صرف پانچ سال حکومت کر کے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ چکا تھا اور اس کے نا اہل اخلاف اس درجہ کمزور ہو گئے تھے کہ ہمایوں نے آسانی سے اپنا تاج و تخت پھر واپس لے لیا۔

ہمارے پاس چونکہ کوئی ثبوت اس وقت تک نہیں اس لئے ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے مگر بہت ممکن اور قرین قیاس ہے کہ ایران سے امداد حاصل کرنے کے وقت اس قسم کی کوئی شرط ہو گئی ہو کہ وزارت پر شیعہ وزرا کا اقتدار رہیگا۔ بہر حال یہ قیاس صحیح ہو یا غلط مگر تاریخ شاہد ہے۔ کہ سلاطین مغلیہ کے وزرا عموماً شیعہ ہی رہے اور یہی حضرات دوسرے صوبوں کی نظامت اور صوبہ داری پر اکثر و بیشتر فائز ہوتے رہے اسی شیعی اقتدار کا اثر ہے کہ آج مسلمانان ہند عام طور سے اہل بیت کے علاوہ اور جملہ خلفاء راشدین کو بھول گئے۔

شیر خدا حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا نام تو ہر ایک کو یاد ہے۔ ...... مگر صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہم کے نام بمشکل یاد کرانے پڑتے ہیں ازواج مطہرات کا ذکر بہت کم کہیں سنا جاتا ہے لیکن بی بی فاطمہ رضؓ

قاسم ابن حمزہ بن امام موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہٗ کی اولاد میں سے تھے اور سید تھے مگر سلطان اسمٰعیل اور اسکا باپ سلطان حیدر شیعہ ہو گئے تھے۔ سلطان اسمٰعیل کے بزرگ ایک عرصہ تک تخت ایران حاصل کرنے کے لئے لڑتے رہے آخر کار سلطان اسمٰعیل اس مقصد میں کامیاب ہوا مصنف عماد السعادت کا بیان ہے "مذہب اثنا عشری در ایران از وقت سلطان اسمٰعیل صفوی جابجا رواج و رونق پذیرفت" عماد السعادت صفحہ ۱۰۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شاہ طہماسپ میں کتنا تعصب ہوگا۔ ۱۲۔

کا اسم گرامی ہر بچہ اور بوڑھے ہر مرد اور عورت کے وردِ زبان ہے......!
حدیث شریف میں سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سید الشہدار کا...
خطاب دیا گیا ہے۔ مگر عام مسلمانوں میں کتنے ہیں جن کو آپ کی قربانیوں کا علم ہو؟ صحابہ کرام کی تمام خونیں قربانیاں فراموش ہو گئیں۔ ہاں جنگ کربلا کے مبالغہ آمیز واقعات ہر ایک کو یاد ہیں۔ عشرۂ محرم کے وہ تمام فضائل فراموش ہو گئے۔ جو صحیح احادیث میں وارد ہیں ہاں تازیوں...اور کھچڑے کی رسومات ہر ایک کو ازبر ہو گئیں، ائمہ اربعہ کا نام بھی لوگوں کو مشکل سے معلوم ہو گا۔ البتہ بارہ اماموں کے نام کے تعویذ گلے میں ضرور ڈالے جاتے ہیں۔ احقر نے اپنے اجداد کرام سے ترکہ میں ایک کٹورا حاصل کیا ہے جس کے اندر باہر بہت سے نقش ہیں اور کنارے پر آیات یا ماثورہ دعاؤں کے بجائے ۱۲ اماموں کے نام درج ہیں۔

ہمارے پہلوان جب اکھاڑے میں کشتی کے لئے اترتے ہیں تو اُنکا نعرہ ہوتا ہے "یَا علی" مگر یہ کسی کو یاد نہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ میں سب سے زیادہ بہادر کہا گیا ہے۔ بہر حال اس قسم کی بہت سی اعتقادی خرابیاں ہیں جو شیعہ اقتدار کے باقی ماندہ آثار آج تک ہم اپنے رسم و رواج مذہب و مسلک میں موجود پاتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ وزارت پر شیعوں کا اقتدار بھی اس بے اعتنائی کا بڑا سبب ہے جو ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی جانب سے اختیار کیگئی العظمۃ للہ۔ اُندلس میں صرف پانچسو برس ۵۰۰ مسلمانوں کی حکومت رہی

مگر وہاں کی عظیم الشان یونیورسٹیاں ؛ کالج ؛ بے نظیر کتب خانے
آج تک تاریخ کے صفحات میں آب زر سے لکھے جاتے ہیں۔ لیکن ہندوستان
جہاں کم وبیش گیارہ سو برس مسلمانوں کی حکومت رہی وہ ان تمام
عِلمی دلچسپیوں سے خالی رہا۔ اِس اقتدار کے باعث جو کچھ خرابیاں رُونما
ہوئیں ان کا مفصل ذکر آگے آئے گا۔ انشاء اللہ

مذکورہ بالا تاریخی حقائق کو سامنے رکھ کر اندازہ فرمائیے کہ حضرت شاہ
ولی اللہ صاحبؒ نے جو لائحہ عمل (پروگرام) اختیار فرمایا تھا۔ کسقدر دشوار
اور کٹھن تھا۔ لیکن اِس کے باوجود آپ اس کرامت کو ملاحظہ فرمائیے کہ صرف
درس و تدریس ہی پر شاہ صاحب کی خدمات منحصر نہیں رہیں بلکہ وہ جلیل
القدر کتابیں تصنیف فرمائیں کہ جن کی نظیر سے آج تک کے تمام اسلامی
کتب خانے خالی تھے۔ عقائد، کلام، اسرار شریعت، رموز طریقت پر وہ
بیش بہا تصانیف جن کے ایک ایک صفحہ پر رازی اور غزالی کے لکھے ہوئے
سیکڑوں صفحات قربان۔

افسوس آج قوم کی بدمذاقی نے حضرت شاہ صاحب کی بہت سی بیش بہا
تصانیف کو ناپید کر دیا۔ مگر تاہم مندرجہ ذیل کتابوں کے نام حضرت شاہ صاحب
کی تصانیف کی فہرست میں شمار کرائے جاتے ہیں احقر نے جو کتابیں خود دیکھی
ہیں ان کی کیفیت بھی لکھدی ہے۔ باقی کتابیں حیات ولی کے حوالہ سے
نقل کی گئی ہیں ان کتابوں کے نام سُنے ہیں مگر دیکھی نہیں۔"

فہرست تصانیف حجۃ الاسلام سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح

نام کتاب	زبان	فن	مختصر کیفیت
فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن	فارسی	تفسیر قرآن	اس ترجمہ کو موجودہ تراجم کا اُستاذ اور اصل اصول کہنا چاہئے تقریبًا دو صدی گذرنیکے بعد بھی اس کی قدر و منزلت میں کوئی کمی نہیں ہوئی
الفوز الکبیر[1]	فارسی	اصول تفسیر	مختصر رسالہ ہے مگر بے نظیر ہے دارالعلوم دیوبند میں چند سال سے داخل درس ہے
فتح الخبیر	عربی	"	مختصر رسالہ مگر بے نظیر ہے
مُصفّٰے شرح مُوطّا امام مالک رح	فارسی	شرح حدیث	موطا امام مالک حدیث کی مشہور کتاب ہے۔ اُس کی مختصر مگر جامع شرح ہے
مُسوّیٰ۔ شرح مُوطّا[1]	عربی	"	" " " "
حجۃ اللہ البالغہ	عربی	اسرار شریعت	دنیائے اسلام کی عجیب و غریب کتاب ہے عقائد، عبادات، معاملات، اسلامی سیاست غرض ہر چیز کو عجیب انداز سے بیان فرمایا ہے۔ کاش، صدرا اور شمس بازغہ کے بجائے اسکا درس دیا جائے تو عربی طلبہ نور علم سے بہرہ اندوز ہوں

[1] ایک مصری فاضل نے اسکا ترجمہ نہایت سلیس اور دلچسپ عربی میں کیا ہے حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نے اسکا تتمہ تحریر فرمایا ہے۔ کتب خانۂ فخریہ اس کی طباعت کا شرف حاصل کیا ہے قیمت ۶

نام کتاب	زبان	فن	مختصر کیفیت
انصاف فی بیان سببُ الاختلاف	عربی	تاریخ تدوین مذاہب	موضوع کتاب یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین اور فقہار کا اختلاف کیوں ہوا۔ بے نظیر کتاب ہے :۔
عِقدالجید فی احکام الاجتہاد والتقلید	عربی	"	مطالعہ سے اطمینان اور انشراح قلب حاصل ہوتا ہے۔ مولانا عبدالشکور صاحب نے اس کا ترجمہ کردیا ہے۔
ازالۃ الخفار عن خلافۃ الخلفار۔	عربی	تاریخ وسیاست اسلام	خلافت راشدہ کی حیثیت۔ خلفار کے اوصاف اسلامی سیاست پر بے نظیر کتاب ہے نہایت سلیس عربی۔ مطالعہ سے انسان معلومات کے بیش بہا موتیوں سے نالا مال ہوجاتا ہے ۔
قرۃ العینین فے تفضیل الشیخین	فارسی	"	" " " " "
فیوض الحرمین	عربی	تصوف	حرمین شریفین کے فضائل وحالات وتحقیقات (حیات ولی)
الطاف القدس	فارسی	"	تصوف
الخیر الکثیر	عربی	سیاست و اسرار شریعت	حجۃ اللہ البالغہ کے طرز پر مختصر مگر نہایت جامع کتاب ہے مجلس علمی ڈابھیل نے طبع کرایا ہے۔

نام کتاب	زبان	فن	مختصر کیفیت
الدر الثمین فے مبشرات النبی الکریم	عربی	تصوف	اُن فیوض کا تذکرہ کیا گیا ہے جو حضرت شاہ صاحب اور آپ کے والد ماجد اور عم محترم حضرت شاہ ابوالرضا محمد کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے حاصل ہوئے۔ (نایاب ہے) "حیات ولی"
تاویل الاحادیث	عربی	تاریخ انبیاء	حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک جن انبیاء کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے ان کے حالات اور حوادثات کے رموز بیان فرمائے ہیں۔ "حیات ولی"
انفاس العارفین	فارسی	تاریخ	اپنے خاندان کے اکابر کے ملفوظات اور افادات قلمبند فرمائے ہیں۔ نایاب ہے۔ "حیات ولی"
شرح رباعیتین		تصوف	حضرت خواجہ باقی باللہ کی دو رباعیوں کی شرح ہے۔ "حیات ولی"
انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ	فارسی	"	... نایاب ...
چہل حدیث	عربی	حدیث	...

نام کتاب	زبان	فن	مختصر کیفیت
سطعات	فارسی	تصوّف	نایاب ہے
ھوامع شرح حزب البحر		”	نہایت دقیق کتاب ہے۔ ماہرین تصوف ہی اس سے استفادہ کرسکتے ہیں
حسن العقیدہ	عربی	عقائد	نایاب ہے
سرور المحزون ... ❊ ... ... ❊ ... ... ❊ ...	فارسی	تاریخ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ایک مختصر اور نہایت مفید رسالہ ہے فارسی کے نصاب میں گلستاں بوستاں کیساتھ پڑھایا جائے تو بہت ہی بہتر ہو۔ !
القول الجمیل .. ❊ .. .. ❊ .. .. ❊ ..	عربی	تصوف	ذکر واشغال کے طریقے بتائے گئے ہیں صوفیا کے لئے بہت مفید کتاب ہے اہل سلوک اسکو حرز جان بنا کر رکھتے ہیں اسکے اردو ترجمہ کا نام شفاء العلیل ہے
سیر الامین المامون	”	”	نایاب ہے
ارشاد الی مہمات علم الاسناد	”	علم الاسناد	”
تراجم بخاری	عربی	علم الحدیث	نایاب ہے
فیما یجب حفظہ للناظر۔	”	”	” ... ❊ ...

انسان العین فی مشائخ الحرمین	فارسی	تاریخ	نایاب ہے
امداد فی مآثر الاجداد	"	"	" " "
العطیۃ الصمدیہ فی الانفاس المحمدیہ	"	"	" " "
مکتوبات مع فضائل	"	"	" " "
ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری رح			. . . . پ . . .
			. . . . ش . . .
مکتوب المعارف	"	تصوف	" " "
مکتوب مدنی	"	"	" " "
ہمعات	"	"	دقیق ترین اور نہایت مختصر رسالہ ہے
لمعات	"	"	" " "
شفاء القلوب	"	"	" " "
البدور البازغہ	"	سیاست و اسرار شریعت	حجۃ اللہ البالغہ کے طرز پر بے نظیر کتاب ہے
زہراوین	"	"	نایاب ہے
رسائل تفہیمات الہیہ	"	"	" " "
المقدمۃ السنیہ	عربی	عقائد	" " "
المقالۃ الوضیہ	"	"	" " "
فتح الودود فی معرفۃ الجنود۔	"	علم الخلائق	" " "
مسلسلات	"	علم اسناد	" " "

ان کے علاوہ دیگر تصانیف بھی ہیں مگر غیر مطبوع اور نایاب ہیں۔

لے مجلس علمی ڈابھیل نے طبع کرایا ہے۔ کتب خانہ فخریہ مراد آباد سے بھی مل سکتی ہے

سیاست اور علماء

مغرب نے جب مشرق کو فتح کی غرض سے تاکا تو مشرق کا مرد میدان مسلمان تھا۔ اور اُس سے زیادہ سخت اُس کے عقائد تھے۔ مثلاً یہ کہ۔ میدانِ جہاد میں مسلمان مرجائے تو شہید۔ اور زندہ رہے تو غازی۔

راہ خدا میں اگر جاں سونپے تو جنت کی حوریں استقبال کے لئے آئیں اور بارگاہ رب العزت میں وہ بے نظیر مرتبہ پائے کہ اب اُس کی تمنا یہ ہو کہ دوبارہ زندہ ہو اور راہ خدا میں مارا جائے۔ تاکہ اس سے بلند مرتبہ حاصل کرے

اگر فی سبیل اللہ مال خرچ کرے تو کم از کم سات سو گنا اجر حاصل کرے۔

اور اگر غزوہ کرتا ہوا صحیح سالم رہے تو دو چیزیں حاصل کرے۔ ثواب آخرت اور مال غنیمت کی دولت۔ اس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد رہتا تھا لغدوۃ اور وحۃ فی سبیل اللہ خیر من الدنیا ومافیہا۔ اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ) ایک صبح یا ایک شام راہ خدا میں سفر کرنا خدا کی قسم دنیا اور دولت دنیا سے بہتر ہے۔

وہ جب پڑھتا تھا الجنۃ تحت ظلال السیوف۔ تو دنیا کی تمام چیزوں کو چھوڑ کر تلوار کی دھار کو بار بار بوسے دیتا تھا۔ اور جب اس کے سامنے آتا جعل رزقی تحت ظل رمحی (میرا رزق میرے نیزے کے سایہ تلے ہے) تو وہ کسی کافر کی فوجی ملازمت کے بجائے معرکہ جنگ میں نیزوں کی نوک سے اپنا رزق حاصل کرتا۔ اور جب وہ پڑھتا

الخیر معقود بنواصی الخیل الی یوم القیامۃ الاجر والمغنم — خیر یعنی ثواب آخرت اور دولت غنیمت قیامت تک کیلئے گھوڑے کی پیشانی سے باندھ دیا گیا۔

تو اپنا بہترین رفیق گھوڑے کو قرار دیتا۔ وہی مشغلہ ہوتا اور وہی اسکی طبیعت کا شوق۔

فاتح کی تلوار کو کند اور بے کار وہی قوم کرسکتی ہے جس نے اپنی موت کو زندگی تصور کر رکھا ہو۔ اور جو جشن شادی سے زیادہ شہادت کی حریص ہو۔

اسلام کی فطرت نے جس قوم کو دنیا میں پیدا کیا تھا وہ یہی قوم تھی۔

ظاہر ہے کہ جب تک کسی قوم کے عقائد مذکورۂ بالا ہوں تو اس کو فتح کرنا ناممکن ہے۔ مگر یورپ نے اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ[1] کے اصول کو مضبوطی سے تھاما۔ چنانچہ اپنا پہلا پروگرام یہ مقرر کیا کہ مسلمانوں کے عقائد میں تبدیلی کی جائے۔ مذہب کو سیاست سے علیحدہ قرار دیا جائے۔ اور اس طرح عام مسلمانوں کی سیاسی دلچسپی کو ختم کر کے اسلامی حکومتوں کو برباد اور مسلمانوں کو غلام بنایا جائے۔

بیشک یورپ اس میں کامیاب ہوا۔ حتیٰ کہ آج مسلمانوں کی تمام حکومتوں نے طے کر لیا کہ حکومت کا کوئی مذہب نہیں۔ گویا قرآن پاک کی حکومت کو دنیا سے اس طرح معطل کر دیا گیا۔ حالانکہ ارشاد الٰہی یہ ہے۔ ان الحکم الا للہ۔ حکم صرف اللہ کا ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون — جو اللہ کے نازل فرمودہ قانون کے بموجب فیصلہ نہ کریں وہ فاسق اور کافر ہیں۔

[1] جنگ نام ہے خفیہ تدبیر اور پالیسی کا (حدیث شریف)

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الظالمون | جو اللہ کے نازل فرمودہ قانون کے بموجب فیصلہ نہ کریں وہ راستہ سے ہٹنے والے اور حد سے تجاوز کرنیوالا۔

وغیرہ وغیرہ۔

یورپ کے اس پروپاگنڈا کا اثر ہندوستان میں جس قدر بھی ہو کم ہے۔ چنانچہ آج گریجویٹ طبقہ کی زبان پر یہی ہے کہ "علماء کو سیاست سے کیا تعلق۔"

اور پھر چونکہ عام رحجانات اقتدار کے پیچھے پیچھے چلا کرتے ہیں تو عام مسلمان حتیٰ کہ خود علماء بھی اس پروپاگنڈے کے اثرات سے مسموم اور ماؤف ہو گئے۔ اور خود کو سیاست سے بے تعلق کر کے گوشہ نشینی ہی اپنا فرض سمجھ لیا۔ لیکن کیا واقعہ یہی ہے؟۔ کیا اسلام کو سیاسیات سے واسطہ نہیں؟ کیا علماء کے لئے سیاسی جدوجہد ممنوع ہے؟

اس کے جواب کے لئے سابق احادیث اور قرآن پاک کی آیات کا حوالہ دیتے ہوئے مزید تائید اور توضیح کے لئے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔ جس کو امام ترمذی رحنے اپنی مشہور تصنیف جامع الترمذی روایت فرما کر اسکی تحسین و توثیق کی ہے۔

ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ امر یحیئے بن زکریا بخمس کلمات ان یعمل بہا و یامر بنی اسرائیل ان یعملوا بہا وانہ کاد ان | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو پانچ باتوں کا حکم فرمایا کہ وہ خود بھی انکو کریں اور بنی اسرائیل کو بھی حکم کریں کہ وہ انکو کیا کریں حضرت یحییٰ نے ان باتوں کی تبلیغ میں کچھ تاخیر کی۔

توحضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند
عالم نے آپکو پانچ باتوں کا حکم فرمایا تھا۔
کہ ان پر آپ خود عمل کریں اور بنی اسرائیل
کو بھی کہیں کہ انپر عمل کیا کریں۔ پس یا تو آپ
بتادیجئے ورنہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں
بتادوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا
کہ اگر آپ مجھ سی پہلے کہدیں گے تو مجھے
خوف ہی کہ مجھکو زمین میں دھانس دیا جائے
یا کسی اور عذاب میں مبتلا کیا جاؤں۔

چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے لوگوں
کو بیت المقدس میں جمع کیا اور تمام بیت
المقدس پر ہو گیا حتّٰی کہ لوگ دریچوں میں بیٹھے
پس حضرت یحییٰؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے
پانچ باتوں کا حکم فرمایا ہی کہ میں خود بھی عمل
کروں اور تم بھی انپر عمل کرو۔ پہلی بات یہ ہے
کہ اللہ کی پرستش کرو۔ کسی چیز میں اسکا شریک
مت گردانو کیونکہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک
گردانتا ہی اسکی مثال ایسی ہی کہ کسی شخص نے اپنے
خالص مال سونے یا چاندی سی کوئی غلام

یبطی بہا فقال عیسیٰ ان اللہ
امرک بخمس کلمات
لتعمل بہا وتامر بنی اسرائیل
ان یعملوا بہا فاما ان
تامرھم واما ان امرھم
فقال یحییٰ اخشی ان
سبقتنی بہا ان یخسف بی
او اعذب

فجمع الناس فی
بیت المقدس فامتلأ و
قعدوا علی الشرف فقال
ان اللہ امرنی بخمس کلمات
ان اعمل بھن وامرکم ان
تعملوا بھن

اولھن ان تعبدوا اللہ ولا
تشرکوا بہ شیئا وان مثل
من اشرک باللہ مثل رجل
اشتری عبدا من خالص
مالہ بذھب او ورق

فقال هذه داری و
هذا عملی فاعمل وادِّ
اِلیَّ فکان یعمل ویؤدی
الی غیر سیدہ - فایکم
یرضی ان یکون عبدہ
کذالک و ان اللہ امرکم
بالصلوٰۃ فاذا صلیتم
فلا تلتفتوا فان اللہ
ینصب وجہہ لوجہ
عبدہ فی صلوتہ مالم
یلتفت -
وامرکم بالصیام فان مثل
ذلک کمثل رجل فی عصابۃ
معہ صرۃ فیہا مسک کلھم
یعجب (او) یعجبھا ریحہ و
ان ریح الصائم اطیب
عند اللہ من ریح المسک
و امرکم بالصدقۃ فان
مثل ذالک کمثل رجل

خریدا - اور اس سے کہدیا کہ یہ میرا مکان
ہی اور یہ میرا کام ہے - تم کام کرتے رہو
اور مجھے دیتے رہو - چنانچہ وہ شخص کام
کرتا اور آمدنی اپنے آقا کے سوا دوسرے کو
دیتا - تم ہی بتاؤ کہ کیا تم میں سے کوئی بھی
راضی ہو سکتا ہی کہ اس کا زرخرید غلام ایسی
حرکت کرے - نیز اللہ تعالیٰ نے تم کو نماز کا
حکم فرمایا - بس جب تم نماز پڑھا کرو تو
ادھر ادھر مت مڑا کرو - کیونکہ خدائے
عالم اپنی توجہ بندہ کی طرف قائم رکھتا ہی
جب تک بندہ ادھر ادھر نہ مڑے
اور اللہ تعالیٰ نے تم کو روزے کا حکم فرمایا
ہی - کیونکہ اسکی مثال ایسی ہی کہ کوئی شخص
کسی جماعت میں ہو - اسکے پاس ایک
تھیلی ہو جس میں مشک ہو - پس ہر شخص کو
اس مشک کی خوشبو مہکاتی رہتی اور سرور
کرتی رہتی ہی - بلا شبہہ روزہ دار کے منہ کی
بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو زیادہ
پاکیزہ ہوتی ہی اور میں تمہیں صدقہ کا حکم کرتا ہوں

اسره العدو فاوثقوا يداه الى عنقه وقدموه ليضربوا عنقه فقال انا افديه منكم بالقليل والكثير۔ ففدى نفسه منهم وامركم ان تذكروا الله فان مثل ذلك كمثل رجل خرج العدو في اثره سراعا حتى اذا اتى على حصن حصين فاحرز نفسه منهم كذلك العبد لا يحرز نفسه من الشيطان الا بذكر الله

کیونکہ اسکی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کو دشمن نے قید کر کے اُسکے ہاتھ گردن سے باندھ دیے۔ اور اس کی گردن مارنے کے لئے لے چلے۔ تو اس قیدی نے کہا میں اپنی جان کے فدیہ میں اپنا سارا مال پیش کردوں گا۔ چنانچہ اُس نے اپنا فدیہ دیکر نجات حاصل کرلی۔ اور میں تمہیں حکم کرتا ہوں کہ تم اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ کیونکہ اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص کے پیچھے دشمن یورش کرتا ہوا نکلا۔ وہ جب ایک مضبوط اور مستحکم قلعہ کے پاس پہنچا تو قلعہ بند ہوکر خود کو محفوظ کرلیا۔ اسی طرح بندہ خود کو شیطان سے صرف اللہ کی ذکر ہی سے بچا سکتا ہے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم وانا امركم بخمس الله امرني بهن۔ السمع۔ والطاعة۔ والجهاد والهجرة والجماعة۔ فانه من فارق الجماعة قيد شبر فقد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو پانچ چیزوں کا حکم کرتا ہوں جنکا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم فرمایا ہے۔ (حکم امیر کو غور سے) سننا۔ اُسکی فرمانبرداری جہاد۔ ہجرت۔ جماعت۔ کیونکہ جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے ایک بالشت بھی الگ

خلع ربقة الاسلام من عنقه الا ان يراجع ومن ادعى دعوى الجاهلية فانه من جثى جهنم۔ فقال رجل يا رسول الله وان صلى وصام فقال وان صلى وصام۔ فادعوا بدعوى الله الذى سماكم المسلمين المؤمنين عباد الله

قال المصنف هذا حديث حسن صحيح غريب ترمذی شریف ص۱۱۰ ج۲

ہوا اور اُس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی نکال دی۔ تاوقتیکہ وہ جماعت کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص زمانہ عہ جاہلیت کے نعرے لگائے وہ جہنمیوں کی جماعت میں داخل ہوا۔ کسی شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو۔ ارشاد ہوا اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو۔ آؤ اللہ کے بندو اللہ کے نعرے کو پکارو جس نے تمہارا نام مسلم مومن رکھا۔

عہ زمانہ جاہلیت میں قبائلی تقسیم پر حمایت اور عصبیت کا مدار تھا۔ قبیلہ اور برادری اپنے افراد کی حمایت ضروری جانتے تھے اور دیگر قبائل اور برادریوں سے برسرپیکار رہا کرتے تھے۔ جنگ کے وقت بھی قبیلہ کے نام کی دہائی دی جاتی تھی۔ اور اس طرح انسان کی وسیع برادری کو ہزاروں ٹکڑیوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اسلام نے اس خود ساختہ تقسیم کو اٹھا کر نوع انسان کی صرف ایک تقسیم رکھی جو لازمی تھی۔ یعنی مسلم اور کافر۔ احکام الٰہی کو ماننے والا اور نہ ماننے والا۔ اسی ایک وسیع دعوت کی طرف تمام انسانی برادریوں کو بلایا۔ اے کاش مسلمان اسی پر عامل رہتے تو عربوں کو ترکوں سے بغاوت کی نہ سوجھتی مگر افسوس یورپ نے اس اسلامی برادری کا نام پان اسلامزم رکھا اور اس کے پروگرام کا سب سے پہلا جزیہ تھا کہ پان اسلامزم کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ وہ اس میں کامیاب ہوگیا۔ آج ترکوں اور عربوں میں تفریق ہے اور آج ۱۴

۴۴ یہ ندا دی جارہی ہے کہ ترکی ترک کے لئے ہے۔ عرب عربی کے لئے۔ افغانستان افغان کے لئے وغیرہ وغیرہ ۔ ۲۔ محمد میاں

حدیث مذکور کی تائید قرآن پاک کے طرز سے ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں اس کے علاوہ کہ جہاد اور مجاہدین کے بیشمار فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ ایک خاص چیز یہ ہے کہ قرآن پاک کا تقریباً دو ثلث حصہ صرف انبیاء علیہم السلام کے حالات۔ اُن کے مجاہدات۔ اُن کی دعوت و تبلیغ اور پھر اُن کی قوموں کے تنزل۔ ترقی۔ اسبابِ تنزل و اسباب ترقی۔ بربادی اور وجوہات بربادی وغیرہ وغیرہ سے پر ہے۔

بارہا سنا ہوگا کہ افضل ترین عبادت قرآن پاک کی تلاوت اوس کی تعلم و تعلیم۔ افہام و تفہیم اور تفکر و تدبر ہے۔ صرف تلاوت کی صورت میں بھی ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے

لیکن ایسی مقدس۔ ایسی مبارک کتاب میں۔ یہ تمام قصے اور حکایات کیوں ؟ — غور کرو اور حدیث شریف کی تائید قرآن پاک سے حاصل کر لو۔

پھر سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالو۔ جہاں کہیں عدم تشدد کی جنگ ہے اور کہیں پر تشدد دمحاربہ ہے۔ پھر کہیں ہجرت ہے کہیں مقاطعہ کبھی بدر ہے کبھی اُحد۔ کبھی مدافعت ہے کبھی اقدام۔ وہاں صرف نماز روزہ نہیں۔ بلکہ اوقات تہجد میں غزوات کے لیے سفر بھی ہے۔ احزاب کی جنگ میں خندق کھودنے میں اسقدر انہماک اور مشغولیت ہے کہ پانچ وقت کی نمازیں موخر کرنی پڑیں۔ بیشک نماز جنگ کے وقت بھی رہی۔ مگر جنگی محاذ کی اہمیت کو مقدم رکھکر اس کی صورت بدل دی گئی۔ اور قرآن پاک میں "صلوٰۃ الخوف" کی تعلیم عرش رحمٰن سے نازل ہوئی۔

رمضان شریف کے مبارک اور مقدس مہینے میں اعتکاف اور شب بیداری بھی ہے۔ مگر فتح مکہ اور جنگ تبوک کے لئے سفر بھی اسی مبارک مہینے میں ہوتا ہے۔ اور اعلان یہ ہو رہا ہے:-

لیس من البر الصیام فی السفر — سفر میں روزہ اچھی چیز نہیں (ترمذی وغیرہ)

یاد رکھئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اولین وارث اور سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی پیکر۔ منشاء شریعت کی عملی تصویریں۔ صحابہ کرام کے مقدس نفوس ہیں۔

جن کے ہاں مسئلہ خلافت کو وہ اہمیت حاصل ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین بھی موخر کردی گئی۔ کیونکہ منشاء شریعت یہ ہے کہ سب سے پہلے مرکز اسلام کو مستحکم کیا جائے۔ جن کے اصول کے بموجب جو سب سے زیادہ متقی اور عالم ہے وہی سب سے زیادہ سیاست داں ہونا چاہئے۔ تاکہ امام اور خلیفۃ المسلمین ساتھ ساتھ بنایا جا سکے۔ اگر ایسا نہیں تو اس کا مرتبہ اعلیٰ نہیں

امت میں سب سے افضل وہی چار خلفا ہیں جو سیاست میں بھی سب سے اعلیٰ اور بالا تھے۔ یہی مبارک نفوس ہیں جن کی اتباع کا ہم کو حکم ہوا۔

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ (او کما قال صلے اللہ علیہ وسلم)	تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت۔ جو ہدایت یافتہ ہیں۔ تم ان سنتوں کو کوچلیوں سے پکڑ لو۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (مشکوۃ شریف)

میرے اصحاب تاروں کی طرح ہیں۔ جنکی پیروی کروگے ہدایت یافتہ ہوجاؤگے

ترمذی کی شمایل شریف کا اگر مطالعہ غور سے کیا ہوگا تو صحابہ کرام میں افضلیت کا مدار بھی آپ نے ان الفاظ میں پڑھا ہوگا۔

افضلھم عندہ اعمھم نصیحۃ واعظمھم عندہ منزلۃ احسنھم مواساۃ وموازرۃ (شمائل ترمذی ص۲۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سب سے افضل وہ ہوتا جو مسلمانوں اور اسلام کی خیر خواہی میں سب سے بڑھا ہوا ہوتا سب سے بڑھا ہوا مرتبہ اس کا ہوتا جو عام ہمدردی اور عوام کی بار برداشت کرنے میں سب سے بہتر ثابت ہوتا۔

یہاں نماز روزہ۔ اعتکاف اور گوشہ نشینی کا ذکر نہیں۔ یہاں ہے عام خیر خواہی۔ ہمدردی اور لوگوں کے بار کا تحمل۔

آپ ہرگز ہرگز خیال نہ فرمائیں کہ میں نماز۔ روزہ۔ ذکر وشغل کو بیکار کہہ رہا ہوں۔ معاذ اللہ۔

میرا منشا یہ ہے کہ ان چیزوں کا تعلق صرف اپنے نفس کے تزکیہ سے ہی مومن کا فریضہ اسی پر ختم نہیں ہو جاتا۔ اس کو کامل مومن بننے کے لئے ضرورت پڑتی ہے عام ہمدردی کی۔ خدمت خلق کی۔ اُن کے بہبود و فلاح کے لئے جد و جہد کی۔ امن و امان کو عام سے عام کرنے کی۔

صحابہ کرام کی سیرت پر پھر نظر ڈالو تم دیکھوگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی مقدس سیرت کی طرح آپ کے جلیل الشان اصحاب کی سیرت بھی حیات انسانی کے جملہ شعبوں کو حاوی ہے۔ تم دیکھو گے کہ صرف زہد و تقویٰ۔ تبتل الی اللہ یا گوشہ نشینی ہی کا نام سیرت صحابہ نہیں۔ بلکہ سیرت صحابہ نام ہی ایک ایسے گلدستہ کا جس میں کم از کم مندرجہ ذیل عنوانات کی شیرازہ بندی ہو رہی ہے :-

(۱) دنیاوی معاشرت۔ (یعنی نکاح۔ اقارب اور اعزا سے حسن سلوک۔ پڑوسیوں سے بلالحاظ مذہب و ملت بہتر تعلقات۔ مسلم اور غیر مسلم باشندگان ملک سے روابط۔

(۲) اقتصاد۔ (یعنی تجارت۔ اندرون ملک اور بیرون ملک تجارتی تعلقات۔ صنعت و حرفت۔ کفایت شعاری۔ سرمایہ داری اور مزدوری وغیرہ)

(۳) شہری معاملات (سیاست مدن) یعنی بلدیہ کے متعلق امور۔ قضار عدالت وغیرہ۔

(۴) ملکی سیاست یعنی خلافت۔ جہاد۔ ماتحت اقوام سے تعلقات۔ بین الاقوامی تعلقات وغیرہ وغیرہ

ایک انسان حیران ہو جاتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ قرآن پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس احادیث صحابہ کرام کے فضائل سے کیوں لبریز ہیں۔ اور صوفیاء کرام کے زہرہ گداز متقشفانہ مجاہدات کیوں ایک صحابی کی زندگی کے ایک لمحہ کی برابر نہیں۔

لیکن اگر کسی کو تاریخ اور سیرت سے کافی واقفیت ہے تو یہ حیرانی قطعاً نہ ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ صوفیائے کرام۔ علماء اور مجاہدین وغیرہ کی جماعتوں نے جن اوراق ملت کو تقسیم کار کے اصول پر الگ الگ کر کے مقصد حیات قرار دیا۔ وہ

سب کے سب ایک صحابی کی حیات کے شیرازہ میں یکجا مجتمع ہیں۔

ایک صحابی میدان جنگ میں مجاہد ہے۔ بازار میں تاجر۔ مسجد میں امام یا موذن۔ گھر میں بہترین خانہ دار۔ تعلیم گاہ میں ہمدرد اور مشفق معلم حلقۂ مستفیضین میں تزکیہ بخش شیخ کامل۔ اولاد کا مشفق باپ۔ بیوی کا غمگسار شوہر۔ پڑوسیوں کا غمخوار رفیق۔ لیکن جب وہ خدا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو ایک راہب ہے۔ جس کا قلب خوف خدا سے کانپ رہا ہے۔ سینہ میں گریہ وزاری سے گڑگڑاہٹ ہے۔ اور آنکھ اشک خون کی حریص ہے۔

عالم کی حیثیت اگر آپ عالم نہیں تو آپ سے کچھ زیادہ مطالبہ بھی نہیں۔ لیکن ایک عالم۔ جب کہ وارث نبی قرار دیا گیا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) انبیاء بنی اسرائیل سے اس کو تشبیہ دی گئی۔ (علیہم السلام) تو لامحالہ وارث کو مورث کا نمونہ بننا ہے۔ یہاں ترکہ مال و دولت نہیں۔ یہی اخلاق یہی اوصاف و ملکات۔ یہی جذبات مقدس ترکہ ہیں۔

جہاد کیا ہے؟ یہ چیز کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ مذکورۂ بالا جملہ عنوانات میں سب سے کٹھن اور سب سے زیادہ صبر آزما وہ ہے۔ جس کو سیاست کہا جاتا ہے۔ جس کے سلسلہ میں ہر جدوجہد کو جہاد سے تعبیر کیا گیا۔ چنانچہ ملک العلماء امام علاء الدین کاسانی اپنی مشہور اور مقبول کتاب بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں

امّا الجهاد فی اللغة فعبارة عن بذل الجُهد (بالضم) و هو الوسع والطاقة۔ او	جہاد لغتہ کے لحاظ سے یا تو نقد و دار طاقت صرف کرنے کے معنی رکھتا ہے اگر جُہد بمعنی وسع اور طاقت سے ماخوذ ہو۔ یا کام میں انہماک در

عن المبالغة فی العمل من الجھد بالفتح۔	پوری چستی و مشغولیت کو جہاد کہا جائیگا جبکہ جہد بالفتح سے ماخوذ مانا جائے۔
وفی عرف الشرع یستعمل فی بذل الوسع والطاقۃ بالقتال فی سبیل اللہ عزوجل بالنفس والمال واللسان او غیر ذلک او المبالغۃ فی ذالک	مگر شریعت کے عرف میں جہاد کا استعمال اس معنی میں ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتال بالنفس یا مال، یا زبان وغیرہ کے ذریعہ سے اپنی مقدور اور طاقت کو صرف کر دینا یا اس میں انہماک اور پوری چستی سے کام لینا۔
واللہ تعالیٰ اعلم	واللہ تعالیٰ اعلم

یہی جہاد ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لغدوۃ اوروحۃ فی سبیل اللہ خیر من الدنیا ومافیہا (صحاح)	ایک صبح یا ایک شام اللہ کی راہ میں چلنا دنیا اور دنیا کی تمام دولت سے بہتر ہے۔

اسی جہاد کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔
دو چیزیں کبھی یکجا نہیں ہوسکتیں۔ راہ خدا میں دوڑنے والے قدم کا غبار اور دوزخ کا دھواں۔ یہی وہ فضیلت کبریٰ ہے جس کے سلسلہ میں تقریر کو افضل جہاد قرار دیا گیا۔ ارشاد نبوی ہے۔

افضل الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر (ترمذی شریف)	ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات افضل جہاد ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مبارک کے اشعار کس قدر کیف آور ہیں۔

یاعابد الحرمین لو ابصرتنا	اے حرمین[عه] میں (معتکف ہوکر) عبادت کرنے والے اگر تو
لعلمت انك فی العبادة تلعب	ہمیں دیکھے تو جان لے کہ عبادت کے نام پر تو کھیل رہا ہے
من کان یخضب خده بدموعه	وہ بھی ہیں جو اپنے رخسار کو آنسوؤں سے رنگتے ہیں
فنحورنا بدمائنا تتخضب	لیکن ہم تو وہ ہیں کہ ہمارے سینے ہمارے خون سے رنگین ہوتے ہیں
او کان یتعب خیله فی باطل	وہ بھی ہیں جو فرق باطلہ کی تردید میں اپنی زبان کی تیزی
فخیولنا یوم الصبیحة تتعب	صرف کرتے ہیں لیکن ہم تو وہ ہیں کہ ہمارے گھوڑے یوم جنگ
ریح العبیر لکم ونحن عبیرنا	میں رزمگاہ میں جولانی کرتے ہوئے تھکتے ہیں۔ عبیر کی
رہج السنابك والغبار الاطیب	خوشبو تمہیں ہی مبارک ہو۔ ہمارا عبیر تو گھوڑوں کی
ولقد اتانا من مقال نبینا	ٹاپوں کی گرد ہے اور میدان جنگ کا مقدس غبار بیشک
قول صحیح صادق لا یکذب	ہم تک ہمارے نبی صلعم کا ارشاد پہنچا ہے۔ ایک صحیح بات ہے
لا یستوی غبار خیل اللہ فی	اور بالکل سچ۔ جھوٹ کا شائبہ بھی نہیں۔ برابر برابر
انف امرء ودخان نار تلہب	جمع نہیں ہو سکتے کسی مرد کی ناک میں اللہ کے گھوڑے
ھذا کتاب اللہ ینطق بیننا	کا غبار اور دوزخ کی بھڑکتی آگ کا دھواں۔ یہ خدا کی
لیس الشہید بمیت لا یکذب	کتاب ہے ہمارے معاملہ میں فیصلہ ناطق صادر کر رہی ہے
(تفسیر ابن کثیر)	شہید مردہ نہیں ہوتا۔ سچ ہے۔ جھوٹ نہیں۔

الحاصل جہاد اور سیاست کے ان تمام فضائل اور مناقب کی بنا پر جس طرح

عه حرمین یعنی دو حرم ایک حرم مکہ مکرمہ۔ دوسرا حرم مدینہ منورہ ۱۲

مذہب اور ریاست میں تفریق نہیں کیجاتی - اسی طرح ولایت اور سیاست میں بھی جدائی نہیں - اور اسی لئے کسی ولی اللہ کی سیرت لکھتے ہوئے بجا طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مقدس ترین فریضہ کے لئے اس نے کہاں تک خود کو پیش کیا - اور کون کونسی قربانی حریم سیاست کے اعزاز میں نذر کی - تمہید ہی میں عرض کر دیا گیا تھا کہ اس رسالہ کا موضوع یہی ہے - اور الحمد للہ ہمیں مسرت ہے کہ ہمارے اکابر نے اس اہم فرض کی انجام دہی کے لئے خود کو زیادہ سے زیادہ مستعدی کے ساتھ پیش کیا - زیادہ سے زیادہ قربانیاں اپنے نفس نفیس اور اہل وعیال پر برداشت کیں -

ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر زمانہ کے سیاسی مقتضیات بدلتے رہے - اور اسی کے بموجب ان حضرات کی خدمات کی نوعیت میں بھی تفاوت پیدا ہوتا رہا -

ہم ہر زمانہ کے متعلق سیاسی حالات اور مقتضیات بیان کرتے ہوئے ان اکابر دین وملت کی خدمات بیان کریں گے (انشاء اللہ)

اُستاذ الاساتذہ - راس المحدثین - سیّد الطائفہ - سیدنا و مولانا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ قدس اللہ سرہٗ العزیز کا سیاسیؔ ماحول اور آپکی سیاسی خدمات

شاہ موصوف قدس اللہ سرہٗ العزیز کی ولادت باسعادت عہد عالمگیرؒ میں چہارم شوال ۱۱۱۴ھ یوم چہار شنبہ کو ہوئی۔ ہنوز عمر مبارک چار سال سے کچھ ہی متجاوز ہوئی تھی کہ ۲۸ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ کو سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ نے عالم بالا کا رُخ کیا۔

سلطان عالمگیرؒ کا جانشین جو اپنے بھائیوں کو قتل کرنے کے بعد تخت سلطنت پر قابض ہوا وہ سلطان کا بڑا بیٹا معظم عرف بہادر شاہ اول تھا۔ جس نے شاہ عالم لقب اختیار کیا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سلطنت مغلیہ کو فض

لہ یہ مضمون ایک مرتبہ اخبار "استقلال" دیوبند میں چھپ چکا ہے۔ حضرت مولانا اکبر شاہ خاں مرحوم اور مولانا سید طفیل احمد صاحب مدظلہ العالی نے اسکو بہت پسند فرمایا تھا۔ احقر نے اس وقت مزید تحقیق کے لئے کچھ اور کتابوں کی ورق گردانی کی تو زوال سلطنت مغلیہ کے متعلق اسقدر عجیب و غریب انکشافات ہوئے جن کو اگر اس رسالہ میں جمع کرتا تو کئی سو صفحات کا اضافہ ہو جاتا۔ لہٰذا ان تمام یادداشتوں کو ایک دوسرے رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ جو انشاء اللہ اس رسالہ کے ساتھ ساتھ مکمل ہو کر طبع ہو جائے گا۔ اس دوسرے رسالہ کا نام "داستان بربادی" ہے۔ سیر المتاخرین۔ عماد السعادت۔ تاریخ ہندوستان تاریخ اودھ۔ تاریخ پنجاب در سلطنت برطانیہ کے عہدنامے وغیرہ وغیرہ سے اس مضمون کو لیا گیا ہے۔ واللہ الموفق

اور شیع کے ساتھ دامن چولی کا واسطہ رہا۔

لیکن اکبر کے بعد عالمگیرؒ کے عہد بابرکت تک سلاطین کا اقتدار۔ رفض کے زہریلے جراثیم کو دبائے رہا۔ مگر اُس کے بعد بدقسمتی سے بادشاہت وزرا کی دست نگر ہوگئی

شاہ عالم۔ اسد خاں اور اس کے بیٹے ذوالفقار خاں کی امداد سے تاج کا مالک ہوا تھا۔ شاہ عالم کے بعد اُس کے بیٹے معزالدین جہاندار شاہ کو ان ہی دونوں وزیروں کی تدابیر یا چالاکیوں سے بادشاہت نصیب ہوئی۔ تیسرا بادشاہ فرخ سیر چوتھا رفیع الدرجات۔ پانچواں رفیع الدولہ۔ چھٹا محمد شاہ۔ سید حسین علی خاں اور سید عبداللہ خاں کی چیرہ دستیوں کے رہین منت تھے۔

اس شیعہ تسلط کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ حضرت سلطان عالمگیرؒ کی وفات سے صرف چار سال بعد ربیع الاول ۱۷۱۱ء شاہ عالم بہادر شاہ نے علی الاعلان رفض اختیار کر لیا۔

شاہ عالم اس زمانہ میں سکھوں کی تادیب کے لئے لاہور گیا ہوا تھا۔ جامع مسجد لاہور کے خطیب کو حکم ہوا کہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اسم گرامی کے ساتھ شیعوں کے طرز کے بموجب "ولی اللہ۔ وصی رسول اللہ" کا اضافہ کرے۔ خطیب آمادہ ہو گیا۔ مگر مجمع نے ہجوم کر کے اس کو قتل کر ڈالا اور بلوہ ہو گیا۔

بادشاہ کا علماء سے مناظرہ ہوا۔ اُن کو گرفتار کر کے قید و بند میں مبتلا کیا گیا وغیرہ وغیرہ

اسی طرح احمد آباد میں ایک خطیب کو قتل کیا گیا۔

مصنف سیر المتاخرین[1] اس واقعہ کو نقل فرما کر لکھتے ہیں:۔

اعاظم مذہب حنفی دعوتہا وختمہا برائے دفع بہادر شاہ۔ و استمداد از ہر بر و فاجر و مسلم کافرمی نمودند۔ و بہادر شاہ بدستور اصرار بر نیکار داشتہ در ترویج و تقویت مذہب شیعہ۔ میکوشید۔ و مدتہا دراز در مباحثہ باعلماء باز بود۔

لیکن اس حکم سے تقریباً دس ماہ بعد بادشاہ کو جنون ہوگیا۔ حکم دیا کہ شہر کے سارے کتے شہر سے باہر نکال دئے جائیں۔ ہندو اپنی داڑھی منڈائیں اور آئندہ کوئی ہندو داڑھی نہ رکھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

پھر اسی جنون کے دوران میں ۱۹ محرم ۱۱۲۳ھ کو شاہ عالم اس جہان سے رخصت ہوا۔

شاہ عالم کے چار بیٹے تھے۔ اسد خاں۔ ذوالفقار حسین خاں شیعی وزیر تھے۔ چاروں بیٹوں میں جنگ ہوئی۔ مگر یہ دونوں وزیر معزالدین جہاندار شاہ کے ساتھ تھے۔ آخر کار معزالدین کو کامیابی ہوئی۔ تینوں بھائی قتل ہوئے۔ اُن کی اولاد یا باپ کے ساتھ قتل ہو گئی جو زندہ رہ گئے اور گرفتار ہو سکے اُن کو شاہجہاں کے قلعہ میں قید کر دیا۔

آصف الدولہ اسد خاں بہادر کو وکالت کے عہدہ پر اور اس کے بیٹے ذوالفقار خاں کو وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

---

[1] سید غلام حسین نام شیعہ مذہب رکھتا ہے۔ محمد شاہ اور احمد شاہ کے زمانہ کو دیکھے ہوئے تھا۔ بہت سے واقعات چشم دید لکھے ہیں ۱۲ منہ۔ سیر المتاخرین ص۲

لیکن ان دونوں وزیروں نے معزالدین ہی کو کیوں منتخب کیا۔ اس کی وجہ تاریخ ہندوستان صفحہ ۸۹/۱۰۱ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔

"وجہ یہ تھی کہ ذوالفقار خاں دانشمند فطرتی تھا۔ اور سازشوں اور جوڑ توڑ کرنے کا استاد تھا۔ وہ اول ہی سے جہاندار شاہ کے ساتھ ساری جہمات میں اس لئے شریک ہوتا تھا کہ وہ سب شاہزادوں میں زیادہ بیوقوف اور احمق تھا۔ سلطنت کی قابلیت نہیں رکھتا تھا۔ ذوالفقار خاں سمجھتا تھا کہ معزالدین میرے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہے گا۔ جو ناچ نچاوں گا ناچے گا۔ چنانچہ سارا اختیار سلطنت ذوالفقار خاں کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ بادشاہ کی کچھ بھی حقیقت اپنی نظر میں نہ لاتا تھا۔"

اس کے بعد مصنف لکھتا ہے۔

جہاں دار شاہ کے عہد ناپائیدار میں فسق وفجور کی بنیاد پوری مستحکم ہوگئی۔ قوالوں اور کلاوتوں اور ڈوم ڈھاڑیوں کے گانے اور راگ کا بازار گرم ہوا۔ قریب تھا کہ قاضی قرابہ کش اور مفتی پیالہ نوش ہو (مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔ "داستان بربادی) لیکن معزالدین جہاندار شاہ کی حکومت ۱۰-۹ ماہ ہی ہوئے تھے کہ معزالدین کا بھتیجا "فرخ سیر" (جو باپ کے زمانہ میں صوبہ بنگال کا گورنر تھا۔ اور باپ کے ساتھ معرکہ جنگ میں شریک نہ ہونے کے باعث زندہ اور قید سے محفوظ رہ گیا تھا) اور فرخ سیر کی ماں نے سید حسین علی خاں گورنر صوبہ بہار اور سید عبداللہ گورنر صوبہ الہ آباد سے سازباز کرکے دہلی پر چڑھائی کردی۔ ذوالفقار خاں کا خیال تھا کہ آخر تک مقابلہ کرتا رہے

مگر اُس کے باپ نے سمجھایا کہ ہمیں مقابلہ سے کیا فائدہ۔ ہمیں تو سلطان عالمگیر کی اولاد میں تو کوئی بادشاہ چاہئے۔ معز الدین نہ ہو کا فرخ سیر سہی [1]

بہر حال معز الدین جہاندار شاہ قتل کیا گیا۔ اور سوء اتفاق سے اسد خاں کا خیال بھی صحیح نہ ہوا۔ فرخ سیر کے ساتھ ایک وزیر سُنّی بھی [2] تھا۔ اس نے اس نے اس سے پہلے کہ حسین علی خاں تک ذوالفقار خاں کی رسائی ہو۔ ذوالفقار خاں کے ایک ہم جنس [3] قرابت خاں ایرانی کے ذریعے سے کچھ وعدہ وعید اور جھوٹی قسمیں کھا کر اسد خاں اور ذوالفقار خاں کو بادشاہ کے پاس پہنچوا دیا۔ وہ ان سے خار کھائے بیٹھا تھا۔ آخر ان ہی نے اس کے باپ کو جہاں دار کی حمایت میں قتل کرایا تھا۔ بہر حال اس نے ذوالفقار خاں کو قتل کرا دیا۔

پھر حکم دیا کہ معز الدین کا سر جھنڈے پر آویزاں کر کے بدن کو ہاتھی کے حوضہ میں ڈال کر اور ذوالفقار خاں کے مقتول بدن کو ہاتھی کی دم سے باندھ کر شہر میں تشہیر کرو۔ اور پھر اُن کا جنازہ قلعہ کے دروازے پر لا کر ڈال دو۔ حاصل یہ کہ اس انقلاب سے ذوالفقار خاں تو نہ رہا۔ لیکن اس کے گرد حسین علی خاں اور عبداللہ خاں بادشاہ کے سر پر سوار ہو گئے۔

عہدے تقسیم ہونے لگے تو حسین علی خاں کو امیر الامرا بنایا گیا اور سید عبداللہ خاں بہادر کو وزیر اعظم بنا کر قطب الملک کا خطاب دیا گیا۔ یہ دونوں

---

[1] غالباً صحیح وجہ اس طرح ہو کہ یہاں تو شیعہ اقتدار درکار ہے۔ ہم نہ ہوں حسین علی خاں اور عبداللہ خاں سہی۔ اُن کی وجہ سے ہمارے اقتدار میں بھی فرق نہ آئے گا۔ ۱۲ محمد میاں
ملاحظہ ہو سیر المتاخرین اور تاریخ ہندوستان وغیرہ [2] قاضی عبیداللہ۔ جنکو میر جملہ کا خطاب دیا گیا تھا [3] سیر المتاخرین وغیرہ

بارہ کے مشہور شیعہ تھے۔

اب اس دور میں بادشاہ اگرچہ فرخ سیر تھا۔ مگر اس کے اختیارات آخری زمانہ کے خلفاء عباسیہ کی برابر بھی نہ تھے۔ یہ دونوں بھائی جزد کل پر قابض تھے۔ بادشاہ نے میر جملہ وغیرہ کے کہنے سے چاہا کہ ذات خاص اور قلعہ کے متعلق جو عہدہ دار ہوں اُس کو اپنی رائے مقرر کرے۔ مگر سید عبداللہ اسی پر بگڑ گئے۔ آمادہ فساد ہو گئے۔ مجبور ہو کر عبداللہ۔ قطب الملک کی بات ماننی پڑی۔ اب ذات خاص پر بھی سادات ہی کا اقتدار تھا۔ قلعہ اور شہر میں ان ہی کا انتظام تھا۔ بیرونجات کے لئے حسین علی خان تھا۔ مزید براں چونکہ قطب الملک عیاش تھا۔ اس کو حور و غلمان سے کب فرصت ملتی۔ لہٰذا دربست پر راجہ رتن چند کا حکم نفاذ پذیر ہوتا تھا۔ جو قطب الملک کا میر منشی تھا۔ اور ناجائز تعلقات کی بنا پر قطب الملک پر حاوی تھا۔

رتن چند صاحب کا غلبہ یہاں تک بڑھا۔ کہ بادشاہ کا حکم بھی اس کے حکم کے سامنے ہیچ تھا۔ اس تغلب سے فرخ سیر کو لامحالہ متاثر ہونا تھا۔ چنانچہ اس نے بھی کچھ جدوجہد شروع کی۔ تو اول تو عبداللہ قطب الملک نے جو وزیر اعظم تھا دربار سے علیحدگی اختیار کر کے دہلی میں فوجوں کا اتنا ہجوم کر دیا کہ دہلی والوں کے لئے زندگی دوبھر ہو گئی۔ شہر کی ناکہ بندی ہو گئی۔ جس کے باعث غلہ وغیرہ کی آمد میں کمی ہوئی اور شہر میں سامان خوراک کی گرانی ہو گئی اور پھر حسین علی خاں امیر الامراء۔ جو دکن کا گورنر بنا دیا گیا۔ اس نے وہاں دب دبا کر مرہٹوں سے صلح کر لی۔ اپنے ملک کے کچھ حصے اور کچھ حصوں کی آمدنی کا ایک چوتھائی جس کو "چوتھ" کہا جاتا تھا

مرہٹوں[1] کو دینا طے کیا۔ مرہٹوں کے سرداروں کا بطور ریزیڈنٹ اپنے صوبوں میں رہنا طے کیا۔ اُس کے بعد مرہٹوں کی تیرہ ہزار فوج کھندو دھپاریہ اور سنتا وغیرہ سرداران مرہٹہ کی سرکردگی اور تقریباً ۲۰ ہزار اپنی فوج لیکر ربیع الاول ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء دہلی پر چڑھ آیا۔ یہاں دہلی شہر اور قلعہ پر پہلے ہی سے سید عبداللہ کا قبضہ تھا۔ اب فرخ سیر کے لئے پناہ گاہ محل سرائے تھا۔ چنانچہ وہ زنانخانہ میں جا چھپا تو عبداللہ قطب الملک زنانخانہ میں پہنچا۔ عورتوں نے بہت کچھ خوشامدیں کیں۔ پیروں میں گریں۔ اور شاہزادیاں بہت کچھ روئیں دھوئیں۔ منت سماجت کی۔ مگر بجز توہین۔ تذلیل۔ ذلت۔ خواری اور عصمت دری کچھ اثر نہ ہوا۔ تلاش کر کے محل سراء کے ایک گوشہ سے فرخ سیر کو پکڑ لیا گیا۔ نہایت ذلت کے ساتھ کھینچتے ہوئے باہر لائے۔ اور اس کی آنکھوں میں سلائی بھر کر دنیا کو اس کی نظر میں تاریک کر دیا گیا۔ قلعہ کے اندر ایک قید خانہ میں جو قبر کی

---

[1] مصنف سیر المتاخرین۔ لکھتا ہے۔ جو حسین علی خاں کا مذہبی اعتبار سے ہمجنس ہے۔

اطمینانے از طرف آقا و اقبال دو سلامتی خود نیز ندانست۔ بنا برین برائے بہم رسانیدن استعداد مدافعہ اعدا و بنائے مصالحت با مرہٹہ گذاشت۔ واز آنچہ در عہد داؤد خاں پنی (سابق صوبہ دار دکن) مقرر بود۔ باضافہ دیس مکھی کہ سہ صد۔ دہ روپیہ (۱۰ فی صدی) باشد قبول نمودہ مرہٹہ ہا را با خود متفق ساخت۔ ومقرر نمود کہ بشوا ناتھ وجنا با جمعیت شائستہ بطور نیابت و وکالت راجہ ساہو فرخندہ بنیاد اورنگ آباد بحضور امیر الامرا حاضر باشند۔ ”چوتھ“ از اعمال بادشاہی و جاگیر دراں بگیرند۔ و دیس مکھی از رعایا بگیرند۔ ۱۲

صورت کا بنا ہوا تھا بادشاہ کو قید کیا گیا۔ ایک طشت اور ایک آفتابہ قضاء حاجت کے لئے اور ایک صراحی پانی۔ اس کے پاس رکھدیا گیا۔

شہر میں جو بے چینی اور ہنگامہ ہو رہا تھا اس کو فرو کرنے کے لئے دونوں بھائیوں نے چاہا کہ کسی شاہزادے کو تخت پر بٹھا دیں۔ مگر یہ اپنے ابتدائی دور میں شاہزادوں کو چن چن کر قتل کرا چکے تھے۔ حتیٰ کہ فرخ سیر کے چھوٹے بھائی کی بھی آنکھیں نکلوا دی تھیں۔ بہرحال ایک بیمار مرض دق میں مبتلا شاہزادہ رفیع الدرجات (جس کا نام شمس الدین تھا اور رفیع الشان پسر شاہ عالم پسر عالمگیر کا بیٹا تھا) اُن کے ہاتھ لگ گیا۔ جو قلعہ میں قید تھا۔ بغیر نہلائے دھلائے اور بغیر پوشاک بدلے اس کو تخت پر بٹھا دیا۔ اور تخت نشینی کے شادیانے بجوا دئے۔ جس سے شہر کے آشوب میں کمی آئی۔ امن بحال ہو گیا۔

مگر یہ شاہزادہ خود مدقوق تھا۔ صرف تین ماہ دس روز زندہ رہا۔ پھر انتقال ہو گیا۔ تو اس کے دوسرے بھائی رفیع الدولہ کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا گیا۔ مگر بدقسمتی سے وہ مرض اسہال میں مبتلا ہو کر ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ میں اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔ ہفتہ عشرہ تک اس کی موت مخفی رکھی گئی۔ بادشاہ بنانے کے لئے شاہزادوں کی تلاش ہوتی رہی حتیٰ کہ ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ مطابق ستمبر ۱۷۱۹ء کو روشن اختر نے (جو اپنی ماں کے ساتھ فتح پور میں قید تھا) فتح پور میں تاج شاہی زیب سر کیا۔ ابو الفتح۔ ناصر الدین محمد شاہ لقب تجویز کیا۔

ع شاہ عالم پسر عالمگیرؒ کے سب سے چھوٹے اور چہیتے بیٹے خجستہ اختر کا بیٹا تھا۔ ۱۲

ان وفادار وزیروں نے صرف یہی نہیں کیا کہ ۱۳ سال کے عرصہ میں ۶ بادشاہ بدل دئے بلکہ ان کی چیرہ دستی کے دو اثر نہایت تباہ کن تھے۔ جنہوں نے درحقیقت سلطنت مغلیہ کو ختم کر دیا۔

اول یہ کہ اکبر کے زمانہ سے جو خزانہ جمع تھا اس کو ان انقلابات پر نہایت بیدردی سے خرچ کیا گیا۔ اور آخر میں جب فرخ سیر کو معزول کیا گیا تو جو کچھ دہلی کے قلعہ میں ان دونوں بھائیوں کے ہاتھ لگا اس کو لوٹا۔

اس کے بعد جب رفیع اندرجات بیمار کو تخت پر بٹھایا تھا تو ایک شاہزادہ نیکو سیر نام۔ جو اکبر خلف عالمگیر کا بیٹا تھا۔ اور آگرہ کے قلعہ میں محبوس تھا۔ آگرہ والوں نے اس کو بادشاہ بنا دیا۔ سید حسین علی نے آگرہ پر حملہ کیا۔ قلعہ کو فتح کیا نیکو سیر کو گرفتار کیا۔ اور اس کے بعد تاریخ ہندوستان کے الفاظ میں

"امیرالامراء (حسین علی خاں) نے قلعہ میں داخل ہو کر خزانوں اور جواہرات پر قبضہ کر لیا۔ جو سکندر لودھی اور بابر کے وقت سے کوٹھیوں میں بند تھے۔ اور ان میں خصکر نور جہاں کے مال تھے۔ بعض کارخانہ جات سربستہ تھے۔ جن میں بہت سے ظروف طلا و نقرہ۔ اور کئی ہزار اینٹیں تھیں۔ بلاشبہ کروڑوں روپیہ کی دولت تھی۔ ان میں چند چیزیں بہت ہی نفیس اور بیش قیمت تھیں۔

(۱) مروارید کی چادر جو ممتاز محل کے قبر پوش کے لئے شاہجہاں نے بنوائی تھی اور جو عرس یا شب جمعہ کو قبر پر ڈالی جاتی تھی۔

(۲) نور جہاں کا بنایا ہوا اچکن کا جوڑا۔

(۳) نور جہاں کا بنایا ہوا ایک ٹیکہ جو نہایت بیش بہا تھا۔

اس دولت کی تقسیم میں دونوں بھائیوں میں ناچاقی ہوگئی۔ بڑی مشکل سے امیرالامراء نے سید عبداللہ کو چالیس لاکھ روپیہ دیا اور بس۔

لیکن عبداللہ قطب الملک نے اس کی تلافی دوسری طرح کرلی۔ یعنی جب وہ دہلی سے محمد شاہ کے زمانہ میں مقابلہ کے لیئے نکلا تو چونکہ قلعہ پر اس وقت اُسی کا قبضہ تھا۔ محمد شاہ بھی اس وقت قلعہ میں نہیں تھا۔ جو کچھ رہا سہا ہاتھ لگا وہ بھی نکال لیا۔ غرض اکبرآباد اور شاہجہاں آباد کے دونوں قلعوں کو ان دونوں بھائیوں نے خوب خوب لُوٹ کر فقیروں کی خانقاہ بنا دیا۔

دوسرا اثر جو پہلے سے کہیں زیادہ سخت اور تباہ کن تھا۔ یہ تھا کہ آنے والے بادشاہوں کے اخلاق پست، ہمت کمزور اور طبیعت زنانہ اور تعیش پسند بنادی۔

سلاطین مغلیہ کا خصوصیت سے یہ طرز رہا کہ انہوں نے شاہزادوں کو ابتدا ہی سے بڑی بڑی خدمات پر مامور کیا۔ صوبوں کا گورنر بنایا۔ اور اس طرح حکومت کا سلیقہ اُن میں پیدا کیا۔

اس کا اثر یہ تو ہوتا رہا کہ ہر شاہزادہ جوش میں آکر اپنے باپ سے بغاوت کرتا رہا۔ مگر اس بغاوت میں اس کا حوصلہ بلند ہوجاتا تھا اور بڑی چیز یہ حاصل ہوتی تھی۔ کہ وہ اپنے دوست اور دشمن کو خوب پہچان لیتے تھے۔ ایسے موقعہ پر جو وفادار ثابت ہوتے وہی کابینہ وزارت کے ارکان ہوتے۔

لیکن اس شیعہ گردی میں شاہزادوں کو یا تو قتل کردیا گیا یا اندھا کردیا گیا۔ اور رحم کا آخری درجہ یہ تھا کہ ان کو قید میں رکھا جاتا۔ وہ بیچارے

اپنی جان بچانے کے لئے سیاسیات سے الگ ہو کر زندگی بسر کرتے۔

چنانچہ محمد شاہ بادشاہ جس کو رفیع الدولہ کے بعد سریر سلطنت پر بٹھایا گیا۔ ۸ سال سے اپنی ماں قدسیہ بیگم کے ساتھ قلعہ سلیم گڑھ میں قید تھا۔ ۹ سال دو ماہ ۵ یوم کی عمر تھی جب اس کو قید کیا گیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر کل ۱۷ سال تھی۔ بہرحال محمد شاہ کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ مگر قلعہ کے اندر خاص مقربین سب سید عبداللہ کے خاص آدمی تھے۔ نقل و حرکت پر پابندی تھی۔ عبداللہ کی موجودگی کے بغیر کسی سردار یا حاکم سے ملاقات ممنوع تھی۔

لیکن بادشاہ بننے کے بعد پھر اس قید کو کب تک برداشت کیا جاتا۔ حسن اتفاق سے قدسیہ بیگم ترکی جانتی تھی۔ اور دربار کے ایک معزز وزیر اعتمادالدولہ محمد امین خاں سے گاہے گاہے ترکی میں بات چیت ہو جاتی۔ اور یہی گفتگو انقلاب کے لئے ایک ایما اور اشارہ تھی۔

بادشاہ کی غیر قابل برداشت نگرانی اور مہذب گرفتاری سے ان دونوں بھائیوں نے بادشاہت پر پوری طرح تسلط جما لیا۔ تو خواہش یہ ہوئی کہ تمام صوبہ دار اور شاہی حکام بھی اسی طرح غلام بن کر رہیں۔

مگر اس غرور اور تعصب نے انقلاب کا ایک داعیہ امراء دولت کے دل میں پیدا کر دیا۔ جو بادشاہ کی خفیہ مرضی کے عین مطابق ہوا۔

نتیجہ یہی ہوا کہ محمد امین اعتمادالدولہ وزیر اور نظام الملک کے جدوجہد سے حسین علی خاں امیرالامراء قتل کیا گیا۔ پھر سید عبداللہ نے بغاوت اختیار کی۔ بہت بڑی فوج فراہم کی۔ لوٹ کا کروڑوں روپیہ جو جمع تھا پانی کی طرح

بہایا۔ لوگوں نے اس سے اس اسراف کے متعلق فہمائش کی تو جواب دیا کہ اگر وزارت باقی رہ گئی تو شاہی خزانہ قبضہ میں ہوگا۔ اور اگر شکست ہوئی تو روپیہ بیکار ہے۔ بہرحال پوری قوت سے مقابلہ کیا مگر اس کا اقبال رخصت ہو چکا تھا۔ شکست کھائی اور گرفتار ہوا۔ چند سال قید رہ کر اپنی موت مر گیا۔ اس انقلاب کے بعد محمد امین اعتماد الدولہ وزیر اعظم ہوئے۔ یہ سنّی مسلک تھے۔ مگر افسوس ان کی زندگی نے وفا نہ کی۔ تین ماہ بائیس روز بعد انتقال ہوگیا

دربار میں دوسرا اکھاڑا دربار میں ایرانی اور تورانی پارٹیوں کا مقابلہ ہمیشہ سے تھا۔ مگر جب تک بادشاہوں کا اقتدار وزرا پر رہا۔ یہ مقابلہ کچھ مضر نہ ہوا۔ بلکہ ہر فریق بادشاہی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ملک اور سلطنت کی بہبودی میں بیش از بیش خدمات انجام دینے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن شاہی اقتدار جب وزرا کا دست نگر ہو گیا تو اب اس مقابلہ نے تخریبی شکل اختیار کر لی۔ ایرانی عموماً شیعہ تھے۔ تورانی عموماً اہل سنت۔

یہ مقابلہ محمد شاہ کے دربار میں بھی باقی تھا۔ پھر تورانی امراء کے اندر بھی ایک مقابلہ اس طرح پیدا ہو گیا کہ نظام الملک آصف جاہ صوبہ دار دکن (جو اعلیٰ مدبر اور سلطان عالمگیر کے زمانہ کا تجربہ کار سپہ سالار تھا) کے خلاف وزیر اعظم اور بادشاہ سے ناگوار حرکتوں کا ظہور ہوا اُس نے ارکان وزارت کو ذلیل کر لے یا اپنی ذات کو محفوظ رکھنے کے لئے مرہٹوں سے ق۔ دن کیا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر مرہٹوں کی یورش دہلی پر

ہوئی۔ جس کا نتیجہ ایک حد تک نظام الملک کے لئے خاطر خواہ تھا۔ دربار کو لامحالہ نظام الملک کے سامنے جھکنا پڑا۔

مگر دربار کے موجودہ وزراء ہوں۔ یا نظام الملک۔ دونوں صورتوں میں اہل سنت کا اقتدار تھا۔ تو ایرانی امراء جن کے سردار سعادت خاں برہان الملک[1] ابی سلطنت اودھ تھے۔ اُن سے نادر شاہ کی خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

مورخین کا اختلاف ہے کہ نادر شاہ کا حملہ ہندوستان پر دربار دہلی کے کچھ ارکان کی دعوت پر ہوا تھا۔ یا بذات خود۔ بہرحال اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جب نادر شاہ کرنال پہنچا ہوا تھا۔ اور ایک مرتبہ گھمسان کی لڑائی بھی ہو چکی تھی۔ جس میں صمصام الدولہ۔ امیر الامرا۔ مارا جا چکا تھا۔ اور اس کے علاوہ ہندوستانی فوج تقریباً بیس ہزار تہ تیغ ہو چکی تھی (جب کہ نادر شاہ کے کل تین آدمی مارے گئے اور بیس آدمی زخمی ہوئے) اور برہان الملک گرفتار ہو چکا تھا۔

---

[1] اصل نام میر محمد امین تھا۔ سعادت خان بہادر جنگ۔ اور برہان الملک خطابات تھے۔ اول صوبہ آگرہ کے گورنر رہے۔ پھر صوبہ اودھ کے گورنر ہوئے۔ جہاں حکم استقلال بلند کیا پھر اُن کے جانشیں شاہان اودھ کے نام سے مشہور ہوئے واجد علی شاہ کی گرفتاری پر اس خاندان کا سلسلہ ختم ہوا۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو احقر کا رسالہ داستان بیداری

توبرہان الملک نے دربار دہلی کا امیرالامرا بننے کی خواہش میں اسی گرفتاری کے دوران میں گفتگو تے صلح کی طرح ڈالی۔ جس کو نظام الملک آصف جاہ نے جاکر انجام کو پہنچایا۔ اور کل دو کروڑ روپیہ بطور تاوان جنگ ادا کرنے پر معاملہ طے کرلیا۔

لیکن جب اس حسن تدبیر پر۔ محمد شاہ بادشاہ کی جانب سے نظام الملک کو امیرالامرا، کا اعلیٰ مرتبہ عنایت ہوگیا۔ جس کی تمنا برہان الملک کو تھی تو فوراً برہان الملک نے نادر شاہ کو اشتعال دلایا کہ تم نے صرف دو کروڑ پر معاملہ طے کرلیا۔ دو کروڑ روپیہ تو بندہ اپنے پاس سے ادا کرسکتا ہے۔ نظام الملک آصف جاہ یا دربار دہلی کے لیے دو کروڑ کیا چیز ہیں۔

برہان الملک کے اس اشتعال کا نتیجہ یہ تھا کہ نادر شاہ دہلی میں داخل ہوا قلعہ کو لوٹا۔ اور پھر شہر والوں سے کچھ ناگوار حرکتیں صادر ہوگئیں تو قتل عام کا حکم دیدیا۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو احقر کا رسالہ داستان بربادی)

بہرحال اس تباہی اور قتل عام کے بعد نادر شاہ تخت دہلی دوبارہ محمد شاہ کے حوالہ کرگیا۔ لیکن اسی زمانہ میں برہان الملک بھی سرطان کے مرض میں مبتلا ہوکر انتقال کرگیا۔ اس کے بجائے اس کا بھانجہ مرزا محمد مقیم اودھ کا نواب مقرر ہوا۔

نادر شاہ کے حملہ سے ہندوستان کا فائدہ ہوا یا نقصان۔ دربار دہلی تباہ ہوا۔ یا آباد۔ لیکن یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ اس کی آمد شیعوں کے لئے مبارک فتح تھی۔ وہ خود اگرچہ بقول "درمیین ابن الوقت تھا۔ مگر شاہ ایران جس کا وہ

کمانڈر انچیف یا وزیر اعظم تھا۔ وہ شیعہ تھا۔ اُس کے ایران کے قزلباش شیعہ تھے۔ ساری فوج شیعہ تھی۔ افغانوں سے جنگ جاری تھی۔ جو اس کے ہندوستان میں آنے کا ایک سبب ضرور تھی۔

نادر شاہ کی واپسی پر۔ وزارت عظمیٰ قمرالدین خاں کو ملی۔ امیر الامرا نظام الملک بنایا گیا۔ مگر کچھ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ احمد شاہ درانی کا حملہ ہندوستان پر ہوا۔ جس میں قمرالدین خاں مارے گئے۔ اس کے چند دنوں بعد ۲۷ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ کو محمد شاہ کی وفات ہو گئی۔

یکم جمادی الاول ۱۱۶۱ھ کو اس کا بیٹا احمد شاہ تخت نشیں ہوا۔ جس نے صرف ۶ سال حکومت کی۔ اس کا وزیر غازی الدین خاں عماد الملک مقرر ہوا تھا۔ لیکن برہان الملک کے بعد اس کا جانشیں مرزا محمد مقیم صفدر جنگ اس وزارت کے پیچھے پڑا رہا۔

ایک وزیر مسمیٰ جاوید خاں کو ایک روز دعوت کے بہانے سے اپنے مکان پر بلایا۔ اور تہ خانہ میں لیجا کر قتل کر دیا۔ عماد الملک اور انتظام الدولہ کو بھی قتل کرنا چاہتا تھا۔ مگر موقعہ نہ ملا۔

احمد شاہ بادشاہ۔ صفدر جنگ، کی حرکتوں سے ناراض ہوا تو صفدر جنگ نے فوراً دہلی سے باہر جا کر اپنی فوج کی صفیں مقابلہ کیلئے آراستہ کر دیں اور دہلی کا محاصرہ کر لیا۔

ع شہاب الدین محمد نام ہے غازی الدین خاں عماد الملک خطاب تھا۔ میر محمد شاہ غازی الدین خاں فیروز جنگ کا بیٹا تھا اور نظام الملک آصف جاہ کا پوتا۔ (تاریخ ہندوستان صفحہ ۲۹۵ ج ۱۰ و صفحہ ۲۹۰ ج ۱۰)

سورج مل جاٹ۔ راجہ بھرتھور اور اندر گسائیں فوجدار بادلی خاں
سہارنپور کو بلا لیا۔ اب طرفین سے مورچے قائم ہوئے۔ شیعہ سُنی عداوت کا بازار
خوب گرم ہوا۔ تقریباً ۶ ماہ متواتر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور تاریخ ہندوستان کی الفاظ میں
" چھ مہینے یوں ہی جوتی پیزار چھری کٹاری۔ توپ بندوق دار الخلافہ
کے اندر باہر چلتی رہی۔ آخر کار مہاراجہ مادھو سنگھ کچھواہا نے بیچ میں پڑ کر صلح
کرائی۔ صفدر جنگ مغلوب ہو گیا تھا۔ اُس نے فقط اس پر قناعت کی کہ اودھ اور
الہ آباد کی صوبہ داری اُس کے پاس رہے " [۵]
صفدر جنگ دہلی سے چلا گیا۔ اور کچھ دنوں بعد ۱۱۶۷ھ میں اس کا انتقال
ہو گیا۔ اُس کا بیٹا شجاع الدولہ باپ کا جانشیں ہوا۔ جس نے کبھی مرہٹوں سے اور
کبھی انگریزوں سے معاہدہ کر کے روہیلوں کی حکومت کو روہیلکھنڈ سے
تباہ کیا۔ اور پھر اپنی حکومت کو بھی انگریزوں کے ریزیڈنٹ کا گہوارہ بنا دیا۔
احمد شاہ بادشاہ بھی وزرا کی چپقلش کا شکار ہوا۔ دس شعبان ۱۱۶۷ھ
کو معزول کیا گیا اور عزیز الدین پسر معز الدین کو اس کی جگہ تخت نشیں کیا گیا۔
جس کا خطاب عالمگیر ثانی تجویز ہوا۔ اور پھر صرف چھ سال بعد ۱۱۷۳ھ میں اُس
کو بھی دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔
لیکن اسی سال شاہزادہ عالی گہر عرف شاہ عالم نے تخت دہلی پر
قبضہ کیا۔

---

[۵] تاریخ ہندوستان صفحہ ۲۹۰ ج ۱۰۔

دہلی اور نواح دہلی کے حالات یہ تھے۔ لیکن بنگال۔ بہار اور اڑیسہ کی کیفیت دوسری تھی۔ ۵ رشوال ۱۱۷۰ھ مطابق ۲۳ جون ۱۷۵۷ء کو پلاسی کی مشہور جنگ ہو چکی تھی جس میں ہندوستان کے سب سے پہلے غدار میر جعفر نے اپنے ولی نعمت سراج الدولہ سے (جو بدقسمتی سے سراج الدولہ کی ماں کا پھوپا بھی تھا) نیز ایرج خاں نے (جو سراج الدولہ کا خسر تھا) سراج الدولہ سے غداری کر کے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ لارڈ کلایو کو مرشد آباد پر حاوی کر دیا۔ اور اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کے قدم بنگال میں جما دئے۔

اس کے بعد اگرچہ بظاہر میر جعفر بنگالہ میں اور اس کا داماد میر قاسم بہار اڑیسہ میں ناظم رہے۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی محض ان کی سرپرستی کرتی رہی۔ مگر ظاہر کہ انگریز کی سرپرستی کیا معنی رکھتی ہے۔ شاہزادہ عالی گہر عرف شاہ عالم ان ہی ایام میں عماد الملک وزیر کی فتنہ انگریزی سے تنگ ہو کر دہلی سے فرار ہوا۔ اول سہارنپور رہا۔ پھر شجاع الدولہ کے پاس لکھنؤ پہنچا تاکہ بنگالہ اور بہار پر دوبارہ سلطنت مغلیہ کا اقتدار قائم کرے۔

یہ ابھی لکھنؤ تھا کہ میر قاسم ناظم صوبہ بہار (جو پہلے انگریزوں کا دوست تھا اور اب اُس کا اپنے خسر میر جعفر نیز انگریزوں سے بگاڑ ہو گیا تھا اور بالفاظ دیگر انگریزوں کی سرپرستی کے معنی اس پر منکشف ہو گئے تھے) انگریزوں سے شکست کھا کر امداد طلب کرنے کے لئے شاہزادہ کے پاس لکھنؤ حاضر ہوا۔

شاہزادہ عالی گہر اور شجاع الدولہ انگریزوں سے مقابلہ کے لئے بہار روانہ ہوئے۔ لیکن کسی قدر بدتدبیری اور زیادہ تر انگریزی پالیسی کا اثر یہ ہوا کہ

میر قاسم اور شجاع الدولہ میں خود مخالفت ہو گئی۔ اس اندرونی کشاکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ شکست برداشت کرنی پڑی اور رہا سہا اقتدار بھی ختم ہو گیا۔

بادشاہ اور شجاع الدولہ گئے تھے بنگالہ فتح کرنے۔ مگر وہاں کچھ اور ہی سازشیں ہوئیں۔ شاہزادہ عالی گوہر نہ دہلی کا رہا نہ بہار میں اس کے لئے کوئی جگہ میسر آئی۔ آخر کار بمقام الہ آباد انگریزوں سے ایک معاہدہ کیا۔ جس کی رُو سے صوبہ بنگال۔ بہار اور اڑیسہ کی دیوانی بمعاوضہ چھبیس[1] لاکھ روپیہ سالانہ انگریزوں کے حوالہ کر دی۔ الہ آباد بادشاہ کے سپرد ہوا۔ مگر اس شرط پر کہ انگریزی فوج وہاں رہے گی اور دو لاکھ روپیہ سالانہ بادشاہ کی پنشن میں سے نجف خاں کو دیا جایا کرے گا۔

یہ تمام معاہدہ۔ نجف خاں کی انگریز پرستی کا نتیجہ تھا۔ جو اس سے پہلے انگریزی فوج کا ملازم تھا۔ اور آج کل شاہ عالم کا خاص اور مخلص نیاز مند بنا ہوا تھا۔

شجاع الدولہ نے انگریزوں سے سازباز کر لی۔ بلکہ وہ انگریزوں کا پٹھو بن گیا۔ الہ آباد جہاں بادشاہ تھا۔ اور علاقہ کوڑ جیکلہ انگریزوں نے شجاع الدولہ کو دیا۔ اور پچاس لاکھ روپیہ اس کے عوض میں شجاع الدولہ نے دینا منظور کیا۔ حالانکہ نہ کمپنی اس کی مالک تھی نہ شجاع الدولہ کو خریدنے کا حق تھا۔ بہرحال اس ملی بھگت سے بیچارے شاہ عالم کے لئے الہ آباد بھی پناہ گاہ نہ رہا۔

---

[1] عہد نامہ جات سرکار انگریزی مطبوعہ نولکشور ج ۱ ص۵۵

نیز اس معاہدہ میں روہیلکھنڈ کے لئے بھی معاملہ طے ہوگیا کہ انگریز اور شجاع الدولہ ملکر حافظ رحمت خاں صاحب والی روہیلکھنڈ کو ختم کردیں۔ اور روہیلکھنڈ شجاع الدولہ کی ملکیت میں آجائے۔

شجاع الدولہ نے اپنی حماقت سے تسخیر روہیلکھنڈ کے زمانہ میں انگریزی فوج کے مصارف اپنے ذمہ لئے۔ جس کی ماہانہ مقدار دو لاکھ دس ہزار روپیہ تھی۔ بہرحال نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کو الہ آباد سے نکلنا پڑا۔ روہیلکھنڈ تباہ ہوا۔ حافظ الملک رحمت خاں شہید ہوئے اور انگریزی مطالبہ اس زمانہ میں اتنا بڑھ گیا کہ پھر شجاع الدولہ بھی ختم ہوگیا (تفصیلات داستان بربادی میں ملاحظہ فرمائیے)

شجاع الدولہ نے الہ آباد اور کوڑا کا یہ معاملہ کرلیا۔ مگر لطف یہ ہے کہ سادہ لوح شاہ عالم اب بھی شجاع الدولہ۔ نجف خاں اور انگریزوں کو اپنا مونس اور رفیق غمگسار خیال کر رہا تھا۔

بہرحال اب شاہ عالم نے مرہٹوں کی امداد سے الہ آباد سے کوچ کرکے دہلی کا قصد کیا۔ اور ۱۸۵ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۷۷۱ء کو بادشاہ قلعہ دہلی میں داخل ہوا۔ تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔ اور نجف علی خاں کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ خود عیش آرام میں مصروف ہوا اور نجف خاں جزو کل کا مالک ہوگیا۔

اس وقت آسام سے لیکر دہلی تک ملک پر صرف دو طاقتوں کا اقتدار تھا انگریزوں کا یا میر جعفر۔ شجاع الدولہ اور نجف علی خاں کا۔ یہ تینوں بزرگ شیعہ تھے۔ بادشاہ شجاع الدولہ اور نجف علی خاں کے ہاتھ میں کٹ پتلی تھا۔

دہلی پہنچکر مرہٹوں سے کیا ہوا۔ اور روہیلوں نے کیا کیا۔ پھر انگریزوں سے

کیا معاملہ رہا۔ یہ تمام تفصیلات تو آپ داستان بربادی میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہیں اس موقعہ پر یہ اندازہ کرانا ہو کہ سلطان عالمگیرؒ کی وفات سے لے کر آج تک جو انقلابات ہوئے۔ ان میں شیعوں کی چیرہ دستی کو کہاں تک دخل ہے۔ اور اس موقعہ پر اس تاریخ کے بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کی زندگی کا سیاسی ماحول ظاہر کر دیا جائے۔

سید الطائفہ استاذ العلماء حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز

کی

سیاسی خدمات اور ایک سیاسی استفتا

حضرت شاہ صاحب رح کی وفات ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۳ء میں ہوئی۔

حیات مبارک کے ۶۳ سالہ سیاسی انقلابات پر دوبارہ نظر ڈال لیجئے۔ آپ کا فیصلہ یہی ہوگا۔ کہ اس دور انقلابات میں سب سے بڑا سیاسی سوال شیعہ سنی تنازعہ تھا۔ سوال یہی کہ ان حالات میں ایک مصلح عالم کا جسکو دربار نبوت سے وارث انبیاء کا خطاب ملا ہو۔۔۔ فرض کیا ہوگا۔

ہم جیسے بزدل دل تو فوراً ہی فتویٰ دیدیتے:-

علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم	تم اپنے آپکو سنبھالو۔ اپنی ذکر کرو۔ اگر تم ہدایت یافتہ ہو تو گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا

اور اس کو قطعاً فراموش کر جاتے کہ ہدایت یافتہ ہونے کا مطلب کیا ہے۔

ہم اس سیاسی تنازعہ میں پڑنے کو ہلاکت تصور کر کے فوراً کہدیتے کہ حکم قرآنی یہ ہے کہ

لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ	اپنے ہاتھوں (جانوں) کو ہلاکت میں مت ڈالو

اور یہ خیال بھی نہ رہتا کہ اس آیت کے سلسلہ مضمون کے بموجب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ہلاکت کی تفسیر یہ فرمائی ہی کہ جہاد کو ترک کر دیا جائے۔ سیاسی معاملات میں دلچسپی نہ لی جائے لہ

مگر سید الطائفہ رضی اللہ عنہ۔ معاذ اللہ بزدل نہ تھے۔ فہم قرآن سے عاری نہ تھے۔ وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس احادیث کے بہترین ماہر تھے۔ شریعت مقدسہ کی سیاسی تعلیمات کا مکمل نقشہ آپ کے سامنے تھا۔

آپ بخوبی جانتے تھے کہ احادیث نبویہ میں عالم کی روشنائی کو شہید کے خون سے اسی لئے تشبیہ دی گئی ہی کہ شہید اپنے خون سے کام کرتا ہے اور عالم دین قلم اور روشنائی سے۔

آپ پوری طرح جانتے تھے کہ فتنہ کے وقت گوشہ نشینی میں نجات نہیں۔ بلکہ ایسے شخص کے منھ میں آتش جہنم کی لگام ڈالی جائے گی۔ جو خطرات کے وقت صحیح فتوی صادر کرے۔

حضرت شاہ صاحب کے سامنے اس وقت تک ایک اشکال دوسرا بھی تھا۔ کہ بادشاہ بہرحال مسلمان ہے۔ اور شریعت اسلامیہ میں مسلمان بادشاہ سے بغاوت اسوقت تک ناجائز ہی جب تک وہ کھلم کھلا کافر نہ ہو جائے۔

علاوہ ازیں بادشاہ سے بغاوت بے معنی تھی۔ کیونکہ بادشاہ خود مقہور اور مغلوب تھا۔

دور حاضر کی جمہوریت پسندی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان انقلابات میں بادشاہت کا مدار وزرا کے انتخاب پر ہو گیا تھا اور وزراء کا

لہ ملاحظہ ہو بخاری شریف کتاب التفسیر ۱۲

تقرر اُن کی عسکری قوت پر- اور قدرتی طور پر ہندوستان میں فیڈریشن کی ایک صورت پیدا ہو گئی تھی-

اگرچہ جمہوری آئین حکومت باقاعدہ تسلیم نہیں کیا گیا تھا اور اگرچہ انتخاب کے لئے عالمگیر کی اولاد کا لحاظ رکھا جاتا تھا-

بہر حال حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی جانب سے اعلانیہ جہاد کے معنی یہی تھے کہ رعایا اور حکومت میں جنگ کا ایک میدان اور گرم ہو جائے جو ملک کی تباہی کو قریب سے قریب تر کر دے-

بظاہر حضرت شاہ صاحب کی نظر میں اصلاح حکومت کی صورت صرف یہی تھی کہ شیعیت کا خاتمہ کر دیا جائے- ورنہ کم از کم عام مسلمانوں کو شیعہ گردی سے محفوظ رکھ کر شیعہ وزراء کی طاقت کو کمزور کیا جائے-

بلا شبہ اُس زمانہ کا مہلک مرض شیعوں کا غلبہ تھا- نظام سلطنت میں کمزوریاں اگرچہ اور بھی تھیں مگر طبیب کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ مرض کا ازالہ کرے- اُس کے بعد وہ کمزوری بھی دور کی جاسکتی ہے- جو اِسی مرض کے باعث پیدا ہو گئی ہو- کمزوری اس قدر خطرناک نہیں جس قدر خطرناک مرض ہے-

مثال کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ترکوں کی تباہی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ یورپین عیسائیوں کے مہلک جراثیم نظام حکومت میں نفوذ کر گئے تھے-

مصطفےٰ کمال کی سب سے پہلی خدمت یہ تھی کہ جسد حکومت کو اُس نے ان جراثیم سے پاک کیا- عیسائی مشنریوں کو ملک سے خارج کیا- ترکوں کے لئے عیسائی عورتوں سے نکاح ممنوع قرار دیا- وغیرہ وغیرہ-

چنانچہ یہ مرد میداں۔ مجاہد فی سبیل اللہ خاتم الانبیاء(علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا صحیح وارث اٹھتا ہے اور خاص اس وقت میں کہ شیعوں کو نہ صرف یہ کہ دہلی کی حکومت بلکہ دہلی کی ڈکٹیٹری حاصل ہے۔

شیعہ قوت کے لئے سہل ہے کہ اپنے مخالف کو جلاوطن کردے۔ قید خانہ کی تاریک کوٹھریوں میں سڑا کر مار دے۔

ہاتھ کٹوا دینا گدی سے زبان نکلوا دینا۔ آنکھیں نکلوا دینا۔ قتل کرا دینا وغیرہ وغیرہ ہر چیز ارباب حکومت کے قبضہ میں ہے۔ مگر حضرت موصوف کا بہادر قلب ہر قسم کے خطرات سے بالا ہے۔ نظام حکومت کی اصلاح کے لئے کلمہ حق کی تبلیغ اور سربلندی کے لئے اپنے ارجمند اور رشید فرزند اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ جیسے احباب کے ساتھ۔ میدان اصلاح میں۔ شمشیر برہنہ بنکر ظہور فرماتے ہیں۔

تحریر سے۔ تقریر سے۔ درس سے۔ تعلیم سے۔ فتاوی سے۔ معاشرتی بائیکاٹ سے غرض ہر موثر صورت سے تردید شیعہ کے لئے ہمہ تن عمل بن جاتے ہیں اسی دور ابتلاء میں وہ بیش بہا تصانیف فلمبند فرماتے ہیں۔ جن کی نظیر سے امت کے تمام کتب خانے خالی تھے۔ اور جو دو سو برس گزر جانے کے بعد آج بھی پہلے دن کی طرح لاجواب ہیں۔

ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین جیسی حضرت شاہ صاحب کی تصانیف آج بھی ہمارے دعوے کے لئے شاہد ہیں۔ بڑھتی ہوئی جہالت کے دفع کرنے کے لئے مجددانہ علاج یہ تجویز فرمایا کہ تصانیف کی زبان فارسی رکھی جو اس زمانہ میں عام مسلمانوں کیلئے مادری زبان کی طرح تھی۔

فرق باطلہ کی تردید کے لئے حجۃ اللہ البالغہ - الخیر الکثیر - البدور البازغہ جیسی اصولی تصانیف تحریر فرمائیں۔ سیاسی اصلاحات کے متعلق حجۃ اللہ البالغہ البدور البازغہ وغیرہ میں گراں قدر ارشادات قلمبند فرمائے۔ جو آج دو سو سال بعد بھی علماء اسلام کے لئے بہترین شاہراہ عمل بن سکتے ہیں۔

اور جو ایسے نظام حکومت کی تعلیم دیتے ہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو رعایا اور حکومت کی تمام شکایتوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دے۔

(حضرت شاہ صاحب کے سیاسی خیالات کا مختصر مرقع ناظرین کرام چند صفحات کے بعد ملاحظہ فرمائیں گے)

بہر حال جملہ ضروریات کے متعلق بیش بہا اور نادر تصانیف کا دہ مجموعہ مرتب فرمایا۔ جو آج بھی علماء امت کے لئے گراں قدر خزانہ ہے

(خدا استفادہ کی توفیق بخشے)

حسن خدمات کا سیاسی انعام

اپنی بدقسمتی اور بیشتر حضرات کی بے اعتنائی کے باعث ہمیں افسوس ہے کہ آج ہم حضرت شاہ صاحب کے اُن امتحانات اور مصائب کی تفصیل نہیں پیش کر سکتے۔ جو آپ کو برداشت کرنے پڑے ہوں گے۔ البتہ ان مصائب کا کسی قدر اندازہ امیر الروایات کے مندرجہ الفاظ سے ہوگا۔ جو بجنسہ درج کیے جاتے ہیں۔

دہلی میں نجف علی خاں کا تسلط تھا۔ جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اُتروا کر ہاتھ بیکار کردئے تھے کہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کر سکیں۔

مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کرا دیا تھا۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کو اپنی قلمرو سے نکال دیا تھا (امیر الروایات)

زندہ باد شاہ ولی اللہ۔ زندہ باد مرزا مظہر جان جاناں۔ زندہ باد شاہ عبدالعزیز۔ زندہ باد شاہ رفیع الدین۔ رحمہم اللہ و رضی عنہم۔

لازم ہے آب تیغ سے اے عاشقو کرنا وضو
قطرے کہیں یا مصطفٰے ٹپکے جو زخموں سے لہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حجۃ الاسلام سیدنا شاہ ولی اللہ صاحب

اور

نظامِ حکومت

بہت ممکن تھا کہ ہم مختصر طور پر حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کا سیاسی نکتہ نظر پیش کر دیتے۔ مگر دورِ حاضر میں جبکہ کمیونزم۔ سوشلزم۔ بالشوزم۔ امپیریلزم اور فاسیزم وغیرہ وغیرہ کے طوفانوں نے سیاسی دماغوں کے اعتدال کو مفقود کر رکھا ہے۔ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے مضامین کا خلاصہ اس طرح پیش کر دیں کہ مفہوم میں اپنی جانب سے کوئی کمی بیشی قطعاً نہ ہو۔ عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم۔ (واللہ الموفق)

کھانے۔ پینے۔ جماع۔ دھوپ اور بارش سے بچنے۔ سردیوں میں تگھاس حاصل کرنے وغیرہ وغیرہ کا انسان۔ اسی طرح محتاج ہے۔ جیسے اس کے ہم جنس دوسرے جاندار۔

ع یہ تمام مضمون حجۃ اللہ البالغہ سے ماخوذ ہے حضرت شاہ صاحب رح نے اپنی دوسری تصنیف "البدور البازغہ" میں بھی اس مضمون کو مشرح طور پر بیان فرمایا ہے ۱۲

یہ خداوند عالم کی عنایت اور مہربانی ہے کہ فطری طور پر اس کو سمجھا دیا گیا کہ وہ اپنی خاص نوع اور صنفی فطرت کے تقاضے کے بموجب ان ضرورتوں کو کس طرح پورا کرے۔

تم دوسرے جانداروں کو دیکھو۔ مثال کے طور پر شہد کی مکھی کو لو۔ خدا نے اسکو بتا دیا کہ وہ پھل اور پھول کیسے چوسے۔ شہد کیسے نکالے۔ چھتا کیسے بنائے۔ جس میں وہ رہ سکے۔ اور پھر اپنے اجتماعی مفاد کے لئے کس طرح ایک سردار کی اطاعت کرے۔ چڑیا کو دیکھو۔ کھانے۔ پینے۔ گھونسلا بنانے جفتی کرنے۔ بیضوں کو سینے۔ بچوں کی پرورش۔ اور پھر ان چیزوں میں نر اور مادہ کا باہم تعاون۔ نیز بلی سے ڈرنے۔ شکاری سے بھاگنے۔ جان بچانے وغیرہ وغیرہ کی صورتیں اس کو کس طرح سمجھادی ہیں۔

اسی طرح ہر ایک نوع اور صنف کے لئے قدرت نے ایک طریقہ معین کر دیا ہے۔ جو خاص ان کی صنف اور اُن کی صورت نوعیہ کے اقتضا کے بموجب ہے۔ جو قدرتی طور پر اُن کے سینوں میں پھونک دیا جاتا ہے۔ اور اُن کے دلوں میں اتار دیا جاتا ہے۔

انسان اور عام حیوانات میں فرق انسان کو جب ایک ایسی صورت نوعیہ اور ایسے خواص عطا فرمائے گئے جو تمام جانداروں سے بالا ہیں۔ تو اسی فطری برتری کے بموجب اسکو تمام جانداروں سے بالاترین وصف بھی عطا فرمائے گئے۔

(۱) کسی اصولی نظریہ پر غور و خوض کے بعد اس کے لئے آمادہ اور مصروف

جدوجہد ہو جانے کی قوت یعنی اصولی طور پر کوئی نصب العین قرار دیکر اُس کے لئے کوشش اور سعی کرنا۔

(تشریح) عام جاندار بھوک پیاس۔ جیسے کسی طبعی اقتضاء کے پیدا ہو جانے پر کسی حسی یا وہمی غرض کے لئے آمادہ ہوتے ہیں۔

لیکن انسان بسا اوقات کسی ایسی چیز کو سوچتا ہے جس کا طبعی اور اور مادی طور سے کوئی تقاضا سردست نہیں ہوتا۔ ہاں عقلی اور فکری طور پر اس میں نفع بیشک ہوتا ہے۔ چنانچہ اُس عقلی نفع کے استحصال کے لئے سراسر جدوجہد بن جاتا ہے۔

مثلاً اُس نے شہری ضرورتوں کے لئے یا تہذیب اخلاق کے لئے یا نفس پروری کے لئے۔ یا عذاب آخرت سے بچنے کے لئے یا اپنی عزت وحشمت اور جاہ پرستی کی خاطر ضرورت محسوس کی کہ کوئی نظام ہونا چاہئے۔ اب وہ اس نظام کے لئے سرگردان ہو جاتا ہے۔ سارا راحت و آرام اسی کی خاطر قربان کر دیتا ہے۔

(۲) بہتری اور عمدگی کی خواہش۔

(تشریح) عام جاندار تو صرف ایسی ہی چیز کے خواہاں رہتے ہیں۔ جن سے ان کی ضرورت پوری ہو جائے۔ مگر انسان چاہتا ہے۔ کہ کھانے پینے۔ لباس پوشاک۔ بود و باش کی بہتر سے بہتر صورت حاصل ہو۔ عمدہ خوراک ہو۔ اچھا لباس ہو۔ عالی شان مکان ہو۔ حسینہ اور جمیلہ رفیقہ حیات ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۳) کچھ ایسے اہل عقل اور صاحب فہم انسانوں میں پیدا ہوتے ہیں

جو اصولی نصب العین قائم کرتے ہیں۔ اور اصولی نظرے بناتے ہیں۔ دوسرے آدمی۔ ان جیسی عقل و فکر تو نہیں رکھتے۔ اور اس قسم کے نظریے ترتیب دے سکیں۔ ہاں وہ تمام ضرورتیں جو ان عقلاء کے پیش نظر ہوتی ہیں۔ ان کا احساس ان کو بھی ہوتا ہے۔ تو اب یہ عقلا جیسے ہی ان اصول کی تبلیغ و اشاعت کرتے ہیں۔ یہ متوسط درجہ کے انسان ان کی صدا پر لبیک کہتے ہیں۔ اور ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بھوک پیاس فاقہ و افلاس کا احساس سب کو ہے۔ لیکن اُن کے رفع کرنے کی صورت۔ یا زندگی کو بہتر بنانے کی تدبیر ہر شخص نہیں سوچ سکتا۔ خاص خاص مفکرین طریقے سوچتے ہیں۔ تو دوسرے انسان ان کی اطاعت کرتے ہیں۔

ایک شخص بھوکا ہے۔ کھانے کا محتاج ہے۔ اُس نے کچھ کھا لیا۔ پیٹ بھر لیا۔ مگر ایک دانا اور مفکر نے کوئی غلہ منتخب کیا۔ اُس کی پیداوار پر غور کیا۔ اس کے بونے جوتنے۔ آبپاشی۔ اور پھر کاٹنے۔ صاف کرنے وغیرہ وغیرہ کے طریقے ایجاد کئے۔ آبپاشی کے لئے کُوئیں بنائے۔ نہریں نکالنے کی ترکیبیں سوچیں۔ پھر وہ کچا غلہ معدہ میں جلد ہضم نہیں ہوتا تھا۔ نہ اتنا لذیذ تھا۔ تو اس کے پیسنے۔ پکانے وغیرہ وغیرہ کی تدبیریں نکالیں۔ عام انسانوں نے اُن کی پیروی کی۔ اسی طرح رفتہ رفتہ وہ تمام تجربے جمع ہو گئے جن سے آج دنیا موجودہ تمدن حاصل کئے ہوئے ہے۔ لیکن یہ تمام تجربے یہ تمام ترقیات۔ ایک قدرتی سمجھ کے ذریعہ سے حاصل ہوئے۔ جن کو ہم "فطری الہامات" سے تعبیر کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں امور کے مقابلہ میں اُن فطری الہامات کی مثال ایسی ہے جیسے کہ انسان کا سانس۔ اس کا اصلی وجود تو اسی طرح لازمی اور ضروری ہے۔ جیسے نبض کی حرکت۔ ہاں۔ سانس کے چھوٹے بڑے لینے کا اختیار ایک الگ چیز ہے۔ جو اس کو حاصل ہے۔

(بہر حال فطری الہام قدرت کا مخصوص عطیہ ہے۔ جو انسان کا پیدا کردہ نہیں۔ اس کے دل میں خود بخود ایک شعاع پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس کو لیتا ہے اور پھر مذکورہ بالا تینوں چیزوں کی شمولیت سے اس کو پھیلاتا اور بڑھاتا ہے)

انسانی طبقات جبکہ آدمیوں کے مزاج اُن کی عقلیں جو اصول اور کلیات کا تدبر و تفکر کرتی ہیں متفاوت ہیں۔ نیز جبکہ خوبی اور بہتری کی پسندیدگی اور محبت۔ تدابیر نافعہ کے استنباط و ایجاد۔ اُن کے متعلق غور و فکر کی فرصت میسر آسکنے اور نہ آسکنے۔ اور نیز اصول موضوعہ کی اتباع اور پیروی میں انسانوں کے مراتب مختلف ہیں۔ تو لامحالہ مدنی اور اجتماعی تدابیر کے متعلق بھی دو مرتبہ ضرور پیدا ہو گئے۔ جن کو ارتفاق سے تعبیر کیا جائے گا۔

ارتفاق اول یا پہلا مرتبہ ایسے اجتماعی امور جن سے ابنائے آدم کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا گروہ بھی بے نیاز نہیں۔ خواہ دیہات اور شہروں کے کناروں پر رہتا ہو یا جنگلات میں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہتا ہو۔ یا کسی براعظم کے آخری اطراف میں۔

ف تشریح از محمد میاں غفرلہ (فائدہ) اس ایک نکتہ سے وجود باری اور پھر تمام شرعی امور و عقائد کی دلیلیں بیان کی جاسکتی ہیں۔

ارتفاق ثانی، دوسرا مرتبہ ایسے اجتماعی امور جو ایسے شہروں یا ترقی پذیر قصبات کے باشندگان کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ جن کی ترقی پذیر مدنیت کا تقاضا ہو کہ اُن میں اعلیٰ اخلاق فضلا اور عقلاء و حکما پیدا ہوں۔ کیونکہ یہاں اجتماعات زیادہ ہیں۔ جن کا تقاضا یہ ہے کہ باہمی حاجتیں اور ضرورتیں زیادہ ہوں اور پھر نئی نئی ضرورتوں کے بموجب روزافزوں تجربے حاصل ہوں۔ جن کے نتیجہ کے طور پر ترقی پذیر تدبیریں ایجاد کی جائیں۔ جن پر پختگی سے عمل کیا جائے۔

اس قسم کے معمور اور آباد مقامات ایسے عقلاء کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ جنکی فطرت ترقی پذیر ہو۔ اور کامل خوش حالی کے دلدادہ حکام اور ملوک ایسے عقلاء سے ایک تعلق قائم کرکے۔ اُن سے بہترین تدابیر معلوم کرتے ہیں اور ان پر کاربند ہوتے ہیں۔

ارتفاق ثالث یا تیسرا مرتبہ اور حاجت حکومت (مذکورہ بالا تین اوصاف نے یہ دو مرتبے قدرتی طور پر پیدا کر دیے۔ جن کا تعلق انسان کی تعمیر اور ترقی سے تھا۔ عالم انسانی کے تمدن اور اعلیٰ تہذیب کے لئے یہ دو فطری اصول کافی تھے[۱]) مگر چونکہ انسان کی فطرت میں بہیمیت اور حیوانیت بھی ہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ اس میں حرص۔ بخل۔ حسد اور پھر ادائے حق میں ٹال مٹول اور تاخیر۔ حقوق واجبہ سے انکار۔ وغیرہ پیدا ہو۔ اور پھر کچھ ایسے انسان بھی ہوتے ہیں۔ جن پر ردی اور ذلیل خواہشات

[۱] اضافہ از محمد میاں عفی عنہ ۱۲

کا غلبہ ہوتا ہے۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کے مال کو لوٹ کھسوٹ کر اپنی خواہشات پوری کرتے ہیں اور قتل و خونریزی میں بیباک ہوتے ہیں تو ان تمام فطری تقاضوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں باہمی اختلاف نزاع اور جھگڑے پیدا ہوئے۔ اب جبکہ اجتماعی فطرت کا تقاضا تھا کہ ابناء آدم کے کاروبار اور معاملات آپس میں مشترک ہوں۔ اور یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی ایک شخص یا علیحدہ علیحدہ ہر ایک شخص اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ ان خطرات اور فسادات کو بھی دفع کرسکے جو ان ذلیل طبیعتوں کے باعث پیدا ہوگئے تھے اور اگر بالفرض ممکن ہو بھی تو دشواری میں تو کوئی کلام نہیں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ خواہ مخواہ کوئی شخص ان چیزوں کے لئے خود کو وقف کرے۔ تو لامحالہ ضرورت پڑی کہ ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جو ان خطرات سے نوع انسان کو محفوظ رکھ کر اس کو ترقی کے راستہ پر چلا سکے۔ چنانچہ مجبور ہوئے کہ ایک ایسے بادشاہ کو قائم اور منتخب کریں جو اُن کے درمیان عدل و انصاف قائم کرسکے۔ نافرمانوں اور سرکشوں کو قرار واقعی سزا دے سکے۔ جنگ جو اور بے باک لوگوں کا مقابلہ کرسکے۔ وہ عام باشندگان سے کچھ محصول وصول کرے۔ جس کو اُس کی ضرورت کے موقعوں پر صرف کرے۔[1]

---

[1] "بدور البازغہ" میں فرماتے ہیں۔ ارتفاق ثانی پانچ حکمتوں میں منحصر ہوتا ہے (۱) معاشی حکمت۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ کھانے پینے۔ رہنے سہنے اور آداب مجلس کے متعلق ایسے طریقہ اختیار کئے جائیں جو تجربہ اور اعلیٰ اخلاق کے نقطہ نظر سے بہتر ہوں۔ (۲) اکتسابی حکمت۔ اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ مختلف اسباب (بقیہ حاشیہ ص۱۱۳ پر)

ارتفاق رابع یا چوتھا مرتبہ

خلافت عظمیٰ یا فیڈریشن

ایک شہر کا اندرونی نظام قائم کرنے کے لیے ایک ایسی حکومت کافی ہو سکتی ہے جو آجکل کی اصطلاح میں لوکل باڈیز کی حیثیت رکھے بشرطیکہ پولیس اور عدالت اُس کے ماتحت ہو۔

لیکن جب ایسی حکومت کے پاس محصول آنے لگتا ہے اور اس کے گرداگرد جنگجو بہادروں کا اجتماع ہو جاتا ہے جن کی طبیعت میں بخل۔حرص۔کینہ وغیرہ ہوتا ہی تو لامحالہ یہ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔اور پھر ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی خلیفہ قائم کریں۔یا کسی ایسی قوت کی اطاعت قبول کرلیں جس کو خلافت عظمیٰ جیسا تسلط اور غلبہ حاصل ہو۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۳) یا طبعی افتاد کے بموجب ہر شخص یا ہر قوم اپنے لئے کاشتکاری تجارت وغیرہ کا کوئی پیشہ منتخب کرلے (۳) خانہ داری (۴) باہمی معاملات (۵) باہمی امداد جیسے شرکت مضاربۃ یعنی ایجنسی۔وکالت۔کفالت وغیرہ۔پھر چونکہ کچھ ایسے خبیث اور سست آدمی بھی ہوتے ہیں جو صحیح راستہ اختیار کئے بغیر لوگوں کا مال حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ارتفاق ثالث کی ضرورت ہوئی جسکا مفہوم ہے مدنیت شہریت یا شہری حقوق۔تفصیل یہ ہے کہ مدینہ یا شہر۔شہر پناہ۔بازاروں یا اونچی اونچی عمارتوں کا نام نہیں۔شہریت اس تعلق کا نام ہے جو انسانی جماعتوں کے درمیان (بقیہ ص۱۱۴ پر)

لہٰ اضافہ از محمد میاں۔

خلیفہ خلیفہ سے میری مراد وہ ہے جس کو ایسی شوکت حاصل ہو کہ اس پر کسی دوسرے کو غلبہ حاصل کر لینا اُس وقت تک ناممکن اور محال ہو۔ جب تک وہ بہت سے گروہ اپنے پاس جمع نہ کرے۔ اور بہت زیادہ مال بہت کافی وقت انقلاب میں صرف نہ کردے۔ جس کا امکان مدتوں میں کسی کو حاصل ہوا کرتا ہے

ضرورت خلیفہ میں طبائع کا تفاوت ہر قوم یا جماعت ضرورت خلیفہ میں مساوی نہیں ہوتی۔ بلکہ افراد اور عادات کے تفاوت کے بموجب اس ضرورت میں بھی تفاوت ہوتا رہتا ہے۔

چنانچہ جس قوم کی طبعتیں سخت اور تیز ہوں اس کو نرم مزاج قوموں

(بقیہ حاشیہ صـــ۱۱۳) مذکورہ بالا اصول کا لحاظ کرتے ہوئے جماعتوں کا باہمی تعلق تولامحالہ ضروری ہے۔ اب یہ سب جماعتیں امداد باہمی اور باہمی معاملات کے بنا پر ایک ذات جیسی ہو گئیں۔ گویا یہ تمام جماعتیں ملکر ایک شخص بنتا ہے۔ جس کے لئے خارجی یا داخلی اسباب کی وجہ سے تندرستی اور بیماری لاحق ہوتی رہتی ہے تو ضرورت ہوئی کہ ایک طبیب ہو۔ جو شہریت کو امراض سے محفوظ رکھے۔ اور اگر کوئی مرض پیدا ہو جائے تو اس کا علاج کرے۔ اس طبیب کا نام امام یا حاکم ہے۔ جو اپنے معاونین کے ساتھ ملکر اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ پھر جب یہ اصول انسانی طبائع کے ساتھ وابستہ ہوں گے۔ تو ایک اور ضرورت پیدا ہو گی۔ یعنی مختلف شہروں میں باہمی مناقشات ہوں گے جو ایک شہر کو دوسرے سے جنگ پر آمادہ کریں گے تو لامحالہ ضرورت ہو گی کہ ان سے بالادست ایک طاقت ہو جو طبیب الاطبا کی حیثیت رکھے جسکو خلیفہ کہا جاتا ہے صـــ۱۵ ج ۱ بدور بازغہ

کے مقابلہ میں خلیفہ کی ضرورت زیادہ ہوگی۔[1]

ارتفاقات اربعہ یا چاروں مراتب کی تفصیلات

ارتفاق اول کی تفصیل | انسان کو اپنی ذمہ دارانہ زندگی میں مندرجہ ذیل اشیاء کی ضرورت ہے: (۱) زبان (۲) کاشتکاری (۳) پکانے کے طریقے (۴) برتن بنانے (۵) جانوروں کو مسخر کرنا اور ان کو محفوظ رکھنا (۶) مکانات (۷) لباس جو جانوروں کے بالوں اور پروں کی طرح اس کے لئے زینت بھی ہو اور محافظ بھی جو جانوروں کی کھال یا درخت کے پتوں یا دیگر مصنوعات سے حاصل کیا جاتا ہے (۸) کسی منکوحہ کا تقرر اور تعین۔ جس میں کسی کو مزاحمت کا حق نہ ہو جس سے اپنی فطری خواہشات کو پورا کر سکے۔ نسل باقی رکھ سکے۔ ضروریات خانگی میں رفیقہ حیات ہو۔ جس سے اولاد کی پرورش اور اسکی تربیت میں مدد حاصل کرے۔

(منکوحہ کا تقرر خاص طور پر انسانی وصف ہے۔ دوسرے جانداروں میں بقاء نسل کی فطری ضرورت اور اس کی خواہش اتفاقی طور پر اختلاط سے پیدا ہو جاتی ہے۔ یا اس صورت پر کہ اُن کا جوڑا ساتھ ساتھ پیدا ہوتا ہے)

---

[1] گذشتہ تحریر سے معلوم ہوا۔ کہ (۱) ضرورت حکومت کا سنگ بنیاد انسان کی مادی ضروریات ہیں یعنی کھانا۔ پینا وغیرہ (۲) تجارت، صنعت اور باہمی تعلقات کی خوش اسلوبی اور ترقی (۳) عدل و انصاف کا قیام یعنی جان۔ مال۔ عزت و آبرو کا تحفظ (۴) ہر شہر کا اندرونی اور بیرونی امن و امان اور خوشحالی (۵) ان تمام مقاصد کی تکمیل کے لئے تہذیب اخلاق اور ایک مقدس قانون کی تعلیم۔ باقی ضرورتیں ہیں۔ جن کی تکمیل نظام حکومت سے ہوتی ہے ۱۲ محمد میاں عفی عنہ

(۹) ایسی صنعتیں۔ جنپر کھیتی وغیرہ کا مدار ہے۔ جیسے کدال۔ ڈول۔ ہل۔ رسی بنانے وغیرہ کی چیزیں (۱۰) مبادلہ۔ اور باہمی تعاون (۱۱) ایک صائب الرائے۔ بلند حوصلہ۔ قوی دل۔ کا کسی نہ کسی صورت سے ایسے مرتبہ پر پہنچ جانا کہ وہ دوسروں کو قابو میں رکھ سکے۔ ان کا سردار ہو۔ خود بھی درست رہے اور دوسروں کو بھی درست رکھے لہ

(۱۲) ایک ایسا قانون جسکو تسلیم کر لیا گیا ہو۔ جس کے ذریعہ سے مقدمات کا تصفیہ کیا جائے۔ ظالم کو روکا جا سکے۔ حملہ آور کو ہٹایا جا سکے۔

عالم انسانی کی تعمیر و ترقی کے لحاظ سے یہ بھی ضروری ہے کہ

(الف) ہر قوم میں ایسے افراد موجود ہوں جو ارتفاق اور اجتماعی مصالح کی قابل اہمیت صورتوں کو سوچ سکیں تاکہ دوسرے لوگ ان کی اتباع کر کے ترقی اور بہبودی حاصل کریں۔

(ب) ایسے افراد بھی ہوں جو جمال۔ خوشحالی۔ اور تن آسانی کے دلدادہ ہوں خواہ وہ کسی صورت سے ہو۔

(ج) کچھ ایسے اشخاص ہوں جنکی بہادری۔ یا سخاوت۔ یا فصاحت یا تفکر و تدبر قابل فخر ہو۔

(د) کچھ ایسے لوگ بھی ہوں جو شہرت اور نام آوری کے خواہاں ہوں ۲۔

لہ جیسے صدیق اکبر یا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما ۱۲ ۲ عبارت یہ ہے من یحب ان یطیر صیتہ و یرتفع جاھہ۔ اس عبارت کا ترجمہ بظاہر یہی ہے اور ایسے افراد اگرچہ شریعت کی نظر میں قابل وقعت نہیں مگر اس میں شک نہیں کہ

ارتفاق ثانی یا دوسرے مرتبہ کے ضمنی مباحث

(۱) فن آداب معاش | ارتفاق اول کے سلسلہ میں جن ضرورتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اُن کے پورا کرنے کے لئے بہت سی صورتیں ایجاد کی جاتی ہیں۔ لیکن پھر تجربہ کیا جاتا ہے تو رفتہ رفتہ وہ صورتیں اختیار کرلی جایا کرتی ہیں جو نفع سے قریب تر اور نقصان سے بعید تر ہوں - اسی طرح جب کامل اور فاضل حضرات اخلاق عالیہ کی کسوٹی پر اُن کو پرکھتے ہیں۔ تو جو اخلاق کے مناسب ہوں اُن کو لے لیتے ہیں۔ اور اُن کے ماسوا کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اسی صورت سے معاشرت اور باہمی تعاون کے اصول پر اُن کو جانچا جاتا ہے تو ردی کو ساقط کرکے بہتر کو لے لیا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے اصولی نظریوں سے جو مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان پر ان تدابیر کو پرکھا جاتا ہے۔ اب اس انتخاب اور تنقید کے بعد ہر ایک چیز کے متعلق بہتر صورت کو اختیار کرنے کی کوشش کی جایا کرتی ہے۔

تعریف | خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا ضرورتوں کے سلسلہ میں تدابیر کی صورتوں کے متعلق جو فن بحث کرے اُس کو فن آداب معاش کہتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۶) تعمیر قوم کے لئے ایسے گانٹھ کے پورے یقیناً مفید ہو جاتے ہیں جو بسا اوقات اسی لئے فقراء اور مساکین پر صرف کرتے ہیں کہ اُن کا نام ہو - اور پھر گفا کا مطمح نظر تو صرف نام آوری ہی ہوتا ہے۔ اور اگر یحب کا لفظ مجہول ہو تو یہ شبہ بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ مضمون یہ ہو سکتا ہے کہ ایسے افراد بھی ہوں جنکی شہرت اور جاہ کو عام طور پر پسند کیا جاتا ہے۔ مگر بظاہر سیاق کے یہ مخالف ہے۔

فن آداب معاش کے بڑے بڑے مسائل حسب ذیل ہیں:
کھانا۔ پینا۔ چلنا۔ بیٹھنا۔ سونا۔ سفر کرنا۔ قضاء حاجت۔ ہم بستری۔ لباس۔ مکان۔ بود و باش۔ پاکیزگی اور صفائی۔ زینت۔ گفتگو۔ دواؤں کا استعمال۔ مصائب میں تعویذ اور دعا۔ بڑے کام کے ارادہ کے وقت کوئی اچھا کام کر لینا۔ ولادت۔ نکاح۔ تہوار۔ مسافر کی واپسی وغیرہ وغیرہ جیسے خوشی کے موقعوں پر دعوت۔ مصیبتوں کے وقت ماتم۔ بیماروں کی مزاج پرسی۔ مردوں کا دفنانا۔

آداب مثلاً تمام متمدن شہروں کے سلیم الطبع انسان جنکی رائے قابل سند ہے۔ ان کا اتفاق ہے کہ پلید اور مضر غذا جیسے مردار یا سڑی ہوئی چیز یا ایسے جاندار جن کا گوشت اخلاق یا صحت جسمانی کے لئے مضر ہے نہ کھائے جائیں

ان تمدن پسند عقلاء کے نزدیک پسندیدہ ہے کہ کھانوں کو برتنوں میں رکھا جائے اُن کو دسترخوانوں پر چنا جائے۔ کھانے کے وقت ہاتھ منہ صاف کیا جائے ایسی صورت نہ اختیار کی جائے جو تہذیب کے مخالف ہو۔ یا تکبر آمیز ہو پانی گندہ۔ بدبودار نہ ہو کسی برتن سے پیا جائے۔ منہ لگا کر یا اوکھ سے پینا خلاف تمدن سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح مکانات۔ لباس۔ پوشاک کے متعلق صفائی اور ستھرائی پسندیدہ ہے۔ گندگی۔ میل کچیل نہ ہو۔ منہ سے بدبو نہ آتی ہو۔ بغل یا زیر ناف بال بڑھے نہ ہوں۔ لباس پوشاک ایک ممتاز خوبی رکھتا ہو۔

شادی شدہ عورت کے لئے اچھا مانا جاتا ہے کہ مہندی وغیرہ لگائے ہو

مناسب زیور سے آراستہ ہو۔

نیز اتفاق ہے کہ برہنگی عار ہے۔ لباس زینت ہے۔ بہتر پوشاک وہ ہے جو سارے بدن کو چھپالے۔ نیز انسانی طریقہ ہے کہ بڑے کام کے وقت اپنے رسم و رواج کے بموجب کوئی اچھا کام کیا جاتا ہے۔

مثلاً کوئی خواب دیکھنے کی کوشش کی جائے (جیسے استخارہ میں) یا نجوم سے معلوم کیا جائے۔ یا فال لی جائے۔ یا کسی اور صورت سے کوئی پیشین گوئی حاصل کی جائے۔

اسی طرح گفتگو کے وقت کوشش کی جاتی ہے کہ اچھے کلمے ہوں شیریں کلام ہو

بہر حال متمدن اقوام میں ان تمام ہی موقعوں پر اپنے اپنے طریقوں کے بموجب کچھ صورتیں رائج ہیں۔ جن پر سب کا اتفاق ہے۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ ان آداب کو اپنے اپنے مذاق پر ڈھالا جاتا ہے۔ مثلاً طبیب ان تمام موقعوں پر طبی اعتبار سے جو پہلو سکو بہتر کہے گا اور جسکو طبی لحاظ سے مضر سمجھے گا اُس سے منع کرے گا۔ اور نجومی اپنے مذاق کے بموجب فلسفی اپنی طبیعت کے لحاظ سے۔ اور جو علوم الٰہیہ کا ماہر ہو گا وہ روحانی اور الٰہی آداب و اصول کا لحاظ کرتے ہوئے۔ حسن و قبح جواز اور عدم جواز بیان کریگا۔

(۲) **تدبیر منزل** ارتفاق ثانی (یا دوسرے مرتبہ) کے سلسلہ میں وہ امور بھی ہیں جن کا تعلق ایک گھرانے تک محدود ہوتا ہے کہ آپس میں تعلقات کیسے ہوں اور کس طرح ہوں۔ اُنکو تدبیر منزل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں اصولی چیزیں چار ہیں۔ نکاح۔ ولادت۔ ملکہ (بالادستی

صحبت (معاشرت) اس سلسلہ کا سنگ بنیاد یہ ہے کہ انسان کی شہوانی قوت نے مرد اور عورت میں ایک رابطہ پیدا کردیا۔ اولاد ہوئی تو ہر ایک کو اس سے محبت تھی۔ جس نے ان کی پرورش کے متعلق ایک امداد باہمی کو لازم کردیا۔ اب عورت طبعی طور پر اسلوب پرورش سے زیادہ واقف ہے۔ وہ مرد کے مقابلہ میں عقل کم رکھتی ہے۔ نزاکت۔ آرام طلبی۔ شرم وحیاء۔ گھر میں رہنے کا فطری تقاضا۔ چھوٹے چھوٹے کاموں میں دل لگنا قوت کے مقابلہ میں بچ جانا یہ اس کے خصوصی اوصاف ہیں۔ اس کے بالمقابل مرد۔ عقل میں تیز۔ طبعیت کا دلیر۔ جفاکش۔ خوددار۔ مضبوط بدن وغیرہ وغیرہ ہوتا ہے۔ تو جس طرح شہوانی اغراض نے یہاں ایک دوسرے میں ربط پیدا کردیا تھا۔ فطرت نے ان دونوں کی ضروریات زندگانی کو ایک دوسرے کا دست نگر کردیا۔

پھر چونکہ ایک طرف تو انسان کی فطری شہوت اسکو صنف نازک کی طرف دھکیلتی ہے

ے ممکن ہے دور حاضر کے روشن خیال ان الفاظ سے گھبرائیں۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے کسی عورت کا تصور قائم کرکے اس کے بدن کی ساخت پر نظر ڈال لیں۔ اگر وہ گدا بدن۔ نار پستاں۔ نازک اندام گل رو نہ ہو۔ تو خواہ وہ خاص پیرس کی رہنے والی ہو یا کوہ قاف کی اگرچہ کسی افتاد کے باعث ان کی بیوی بن سکتی ہے لیکن محبوبہ کسی صورت سے نہیں بن سکتی۔ پھر یہ بھی خیال فرمائیں کہ مساوات غیر فطری کی یہی دعویدار ہر ماہ میں ایک ایسی حالت میں مبتلا بھی ہوتی ہیں جس کا ذکر بھی تہذیب کے مخالف سمجھا جاتا ہے۔ اور وہ حالت اسی وقت موقوف ہوتی ہے جب ایک خاص امانت کے باعث ان کو نئے آنے لگتی ہی بخار ہونے لگتا ہے دبائی ص۱۲۱ پر)

اور دوسری جانب انسان کی طبعی غیرت ایک رقابت کی موجد ہے۔ تو لامحالہ ان دونوں صنفوں کے تعلقات اس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک ایک مرد کے ساتھ عورت کو علانیہ طور پر مخصوص نہ کر دیا جائے۔ جس کو نکاح وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فطرت نے مرد میں عورت کی رغبت رکھی ہے۔ نیز عورت اپنے ماں باپ اور اقارب کی عزیز ہوتی ہے تو مرد کی رغبت اور اقارب کی اس محبت کا تقاضا یہی ہے کہ زن و شو کا یہ تعلق احترام کے ساتھ ہو۔ چنانچہ منگنی۔ خطبہ۔ گواہ۔ مہر وغیرہ اسی مقصد کے لئے مقرر کئے گئے۔

سلسلہ نکاح میں جب حقوق کا اشتراک ہوا تو یہ بھی ضروری تھا کہ زن و شو میں سے ہر ایک ایسا ہو کہ اس سے یا اس کے ولی سے حقوق کا مطالبہ کیا جا سکے۔ پھر باہمی تعلقات میں بسا اوقات شکر رنجی بھی ہو جاتی ہے۔ نیز سلسلہ نکاح ایک خاص دلچسپی اور خوش دلی کا خواہاں ہے۔ تو فطرت نے ایسے رشتوں میں رغبت نکاح کو مفقود کر دیا۔ جن میں یہ تمام حقوق اور مقاصد پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکیں۔ یا جن کا احترام فطری طور پر لازم ہو۔

زن و شو کے باہمی ربط سے فطرت کا مقصد اسی وقت خوبی کے ساتھ پورا ہو سکتا ہے۔ جب ہر ایک دوسرے کے نفع کو اپنا نفع اور اس کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھے اور اس کا امکان اسی وقت ہے جب یہ تعلقات دوام پذیر ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰) یا ان کے بدن کی شکل خود ان کے لئے قابل شرم ہو جاتی ہے جب اس امانت کی ادائیگی ہوتی ہے تو ایک ماہ تک چارپائی سے اٹھ نہیں سکتیں۔ ہر احمد میاں عفی عنہ)

لہٰذا طلاق کو غیر پسندیدہ چیز قرار دیا گیا۔ اگرچہ خاص خاص ضرورتوں میں اس کو درست بھی مان لیا گیا۔

اولاد کی پرورش جو ایک فطری فریضہ تھا وہ اسی وقت عائد ہو سکتا ہے جبکہ نسب محفوظ ہو۔ لہٰذا جس طرح نکاح کو لازم کیا گیا۔ اسی صورت سے طلاق یا وفات کے بعد عدت بھی ضروری ہوئی۔ تاکہ نسبوں میں اختلاط نہ ہو جائے۔ ماں باپ کے احسانات نے اولاد پر لازم کر دیا کہ وہ اُن کا احترام کریں۔ یہ تدبیر منزل کا ایک اہم فرض ہو گیا۔

ملکہ | قدرت نے تمام انسانوں کو ایک قابلیت نہیں بخشی۔ لامحالہ ہوشیار بے وقوف۔ ماہر اور اناڑی کا فرق پیدا ہو گیا۔ اب ضروریات زندگی کی تکمیل کی صورت یہی تھی کہ مخدوم کے لوازمات۔ مخدومیت اور خادم کے لوازم خادمیت۔ ایک دوسرے کی ضرورت کو پورا کریں۔ اس فطری نکتہ نے ایک کو آقا اور دوسرے کو چاکر بنا دیا۔

صحبت | انسان قسم قسم کی مصیبتوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ مصائب کے وقت مددگاروں کا خواہاں ہوتا ہے۔ اقارب اور اعزا پر امداد سب سے زیادہ لازم ہوتی ہے۔ تو قدرت نے اقارب کے ساتھ ایک خاص انس اور الفت کا رشتہ قائم کر دیا۔ جو موقع بموقع ظہور پذیر ہو۔ اسی کو اقارب کی خدمت رشتہ داروں کے حسن سلوک کا موجب کہنا چاہیے۔

(۴) معاملات | ارتفاق ثانی کا ایک خاص باب وہ ہے جبکو معاملات سے تعبیر کیا جاتا ہے جس میں مبادلہ۔ امداد باہمی اور اجرت وکسب کی صورتوں سے بحث ہو۔

اور اس کا منشا اور اصل اصول یہ ہے کہ انسان کی ضرورتیں روزافزوں ہیں پھر عمدگی اور پختگی مطلوب ہوتی ہے تو یہ ناممکن ہے کہ ایک ہی شخص بذات خود ان تمام ضرورتوں کو تیار اور فراہم کر سکے۔

کاشتکار کے پاس غلہ زیادہ تھا۔ کپڑا نہیں تھا۔ پارچہ باف کے پاس کپڑا فاضل تھا۔ اس کو غلہ کی ضرورت تھی آپس میں تبادلہ ہو گیا۔ ہر ایک کی حاجت پوری ہو گئی۔ یہی ضرورت خرید و فروخت کی بنیاد ہے۔ جو پھیلی اور بڑھی۔ اور آج دنیا کی رونق بنی ہوئی ہے۔

یہ بہت مشکل تھا کہ پارچہ باف غلہ۔ لکڑی۔ گوشت ترکاری وغیرہ تمام ضرورتوں کے لئے کپڑا ہی تبادلہ میں دیا کرے۔ چنانچہ چند معدنی چیزوں پر ایک اتفاق ہو گیا۔ جن کی ضخامت کم تھی اور آپس میں ایکدوسرے کے ساتھ مماثلت بھی۔ اور وہ دیرپا تھیں جو خراب نہیں ہوتی تھیں یعنی سونا۔ اور چاندی۔

اصول کسب (۱) کھیتی (۲) مویشی کی پرورش (۳) جنگلات اور سمندروں سے عام ضرورتوں کی چیزیں حاصل کرنا جو فطرتاً بلا ممانعت ہر شخص کے لئے مباح اور جائز قرار دی گئی ہیں۔ مثلاً (معدن) کان۔ گھاس۔ شکاری جانور (۴) دستکاری یعنی طبعی جواہر (جنس خام) کو ایسی وضع پر کر لینا کہ اُن سے مطلوب فائدہ حاصل ہو سکے۔

(۵) پھر تجارت اور تبادلہ بھی ایک کسب ہو گیا (۶) پھر شہری ضرورتوں

کے لئے تقریر بھی ایک کسب ہو گیا۔

(۶) رفتہ رفتہ ایسی تمام ہی چیزوں کی ذمہ داری کسب میں داخل ہو گئی جن کی انسان کو ضرورت یا خواہش ہوتی ہے۔ اور جیسے جیسے انسان خوشحالی اور لذت اندوزی کا زیادہ گرویدہ ہوتا رہا۔ کسب کے اطراف میں، وسعت ہوتی رہی

اختصاص کسب کبھی تو ایسا ہوا کہ فطری قوت کی مناسبت سے کسی نے کوئی خاص کسب اختیار کر لیا۔ مثلاً قوی اور بہادر نے سپہ گری اختیار کی۔ سمجھدار قوی حافظہ شخص نے حساب کتاب کو کسب بنا لیا۔ وغیرہ وغیرہ اور کبھی اس خصوصیت کا باعث وہ اتفاقات ہوئے جو اس شخص کی نسلی یا جغرافیائی حالت کے اعتبار سے موزوں تھے۔ مثلاً آہنگر کا بیٹا آہنگر ہو گیا۔ یا ساحل دریا کے رہنے والے ماہی گیر ہو گئے۔ جنگلات کے باشندے شکاری۔ چڑی مار یا لکڑ ہارے بن گئے۔

اوباشوں اور لٹیروں کا وجود کچھ وہ نفوس تھے۔ جو طبعی مناسبت یا مذکورہ بالا اتفاقات کے فقدان کے باعث کوئی جائز پیشہ نہ اختیار کر سکے یا وہ پیشہ اور کسب اُن کی ناجائز خواہشات کو کفایت نہ کرتا تھا۔ تو وہ ایسے افعال پر اتر آئے جو مدنیت اور شہری امن و سکون کے لئے تباہ کن تھے۔ مثلاً چوری ڈکیتی۔ جوا۔ سٹہ۔ سود خواری۔ بھیک یا عصمت فروشی وغیرہ وغیرہ۔

ہبہ اور صدقہ خیرات شہری نظم محبت اور انسیت کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ اور انسیت پیدا کرنے کے لئے ضرورت تھی ضرورتمندوں کو ان کی ضرورت کی چیزیں بلا معاوضہ دی جائیں۔ تو لا محالہ ہبہ اور عاریت کی شکلیں پیدا ہوئیں۔

نیز شہر کے امن وعافیت کو درست کرنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ فقرا اور مساکین کی خبر گیری کی جائے۔ تو صدقہ اور خیرات کی صورتیں وجود میں آئیں۔

مزارعت مضاربت ایجنسی وغیرہ قدرت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ کوئی کم عقل ہو۔ ناتجربہ کار ہو۔ کسی کے پاس دولت ہو۔ کسی کے پاس تجربہ ہو کوئی ذلیل کاموں سے نفرت کرے اور کوئی اس احساس نفرت سے عاری ہو تو ان تمام کی زندگی بسر کرنے کی صورت یہی تھی کہ کسی صورت سے ان میں امداد اور تعاون کی شکل پیدا ہو۔ یہ تعاون شرائط اور خاص قسم کے عہد و میثاق کا خواہاں تھا۔ تو مزارعت۔ مضاربت۔ کرایہ داری۔ وکالت۔ وغیرہ وغیرہ کی صورتیں پیدا ہو گئیں۔ اور پھر خیانت وغیرہ کی صورتوں سے بچنے کے لئے گواہی اور دستاویز اور وثیقے لکھوانے کی سنت جاری ہوئی۔

اور پھر جیسے جیسے کسی قوم کے ترفہ (خوشحالی) میں زیادتی ہوتی رہیگی اس قسم کی امداد باہمی کی شکلیں پیدا ہوتی رہیں گی۔ تمام دنیا ان چیزوں سے واقف ہے۔ ان پر عامل ہے۔ اور ایمان داری اور بے ایمانی۔ انصاف اور ظلم کو پہچانتی ہے

ارتفاق ثالث یا تیسرا مرتبہ

سیاست مدنیہ یا شہری نظم شہری نظم سے وہ فلسفہ مراد ہے۔ جو اس رابطہ اور تعلق کو محفوظ رکھنے کا طریقہ بتائے جو ایک شہر والوں کے درمیان ہوتا ہے

مدینہ۔ یا شہر مدینہ سے مراد وہ جماعت ہے۔ جن کے درمیان معاملات

عہ بدور بازغہ میں فرماتے ہیں۔ جب لوگ آپس میں معاملات کریں گے (باقی ص۱۲۶ پر)

دائر سائر ہوں۔ اور اُن کے مکانات علیحدہ علیحدہ ہوں۔

بنیادی نظریہ باہمی تعلق کے باعث پورا شہر۔ ایک ذات ہے۔ جو متعدد اجزا اور اجتماعی ہیئت سے مرکب ہے۔

شہر کی صحت اور بیماری جو بھی مرکب ہو۔ ممکن ہے کہ اس کے مادہ یا اس کی صورت اور ہیئت میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے اور ایک ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ بہتری اور خوبی اُس کے ماسوا میں ہو۔ اس حالت کو شہریت کی بیماری کہنا چاہیئے۔ نیز یہ ممکن ہے کہ وہ حالت پیدا ہو جو اس کے لئے حسن و جمال کا باعث ہو۔ اسکو شہریت کی صحت کہنا چاہیئے۔

نظم کی ضرورت شہر ایک بڑے اجتماع کا حامل ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں اس اجتماع کے تمام افراد کسی منصفانہ طریقہ پر متفق ہو جائیں۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ

(بقیہ صفحہ ۱۲۵) اور ہر شخص کا پیشہ جدا ہو گا اور پھر ایک دوسرے کی امداد کا محتاج ہو گا اور تبادلہ اور باہمی تعاون کی صورتیں پیدا ہوں گی تو ضروری ہے کہ انسانی جماعتوں کے درمیاں مثلاً کاشتکاروں۔ پارچہ بافوں۔ آہنگروں۔ سوداگروں وغیرہ وغیرہ کے درمیان باہمی ربط ہو۔ درحقیقت مدینہ انہیں جماعتوں کا نام ہے۔ جبکہ اُن میں یہ باہمی تعلق ملحوظ ہو۔ مدینہ (شہر) شہر پناہ۔ بازار۔ قلعہ یا بلند عمارتوں کا نام نہیں چنانچہ اگر چند دہات قریب قریب ہوں جن میں یہ جماعتیں رہتی ہوں اور ان سب کے درمیان لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات جاری ہوں تو ہم ان دہات کو مدینہ (شہر) کہیں گے اور اس باہمی تعلق کی بنا پر مدینہ (شہر) کو ایک چیز تسلیم کیا جائے گا اور ہر جماعت اور ہر گھرانا گویا اس کا عضو ہو گا۔ بہر حال مدینہ۔ کو شئی واحد ماننا ضروری ہے،

(باقی صفحہ ۱۲۷ پر)

کسی خاص منصب کے امتیاز کے بدون ایک دوسرے پر اعتراض اور پابندی
عائد کر سکے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ جنگ و جدال ہوتا ہے۔
لامحالہ شہری نظم اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص
ہو جس کی اطاعت پر ارباب حل وعقد نے سمجھوتہ کر لیا ہو ——
اس کے بہت سے معین اور مددگار ہوں اور اسکی ایک شوکت ہو
جس شخص میں حرص۔ بخل۔ تیزی۔ اور قتل و خون پر جرأت زیادہ ہوگی۔
وہی سیاست کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا۔

شہریت کے لئے تباہ کن امور (۱) کچھ ایسے شرپسند آدمی جمع ہو جائیں
جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلنے اور طریقہ انصاف کو چھوڑنے کے لئے اپنے
اندر قوت رکھتے ہوں۔ جس کا مطمح نظر یا تو یہ ہو کہ لوگوں کے مال لوٹیں۔ اور اس
کے لئے ڈاکے ڈالیں۔ یا غصہ اور کینہ کے سبب سے نقصان پہنچانا چاہتے
ہوں۔ یا ملک گیری کا شوق ہو۔ جس کے لئے آدمی جمع کر لئے ہوں اور جنگ
و قتال پر آمادہ ہو گئے ہوں۔
(۲) ظلماً قتل یا فوجداری۔ (۳) کسی کی آبرو کے درپے ہونا (۴) تہمت
لگانا۔ گالی دینا۔ ناجائز تعلقات۔ غصب۔ چوری

(بقیہ حاشیہ صـ۱۲۱) یہ وحدت اپنی صحت پر باقی رہے۔ اور جو اس کے منافع ہیں۔
وہ کامل حاصل ہوتے رہیں جنکی بنا پر کہ مدینہ کو صحیح تندرست کہا جائے۔ پھر ان
منافع کی تکمیل اور ایسی تدبیر جس کے ذریعہ سے مدنیت کی صحت باقی اور مکمل رہے۔
اسکا نام امامت ہے ا ھ۔ ہمارے خیال میں کسی ایک انسان کا نام نہیں۔ ہاں جب کوئی انسان
ان منافع اور مصالح کیلئے مستعد اور چست ہو کر ذمہ دار ہو جائیگا تو شہری اغراض و مقاصد

(۷) ایسے کام جو مدنیت کے لئے ایک پوشیدہ ضرر کا باعث ہوں۔ جیسے جادو۔ خفیہ قتل۔ فساد کی تعلیم۔ منصف حکومت کے برخلاف سازش۔ میاں بیوی کے تعلقات میں رخنہ اندازی۔

(۸) خلاف فطرت افعال۔ جیسے اغلام۔ سحاقت۔ جلق وغیرہ۔

(۹) شراب اور منشیات کا استعمال

(۱۰) جوا۔ سود۔ رشوت۔ کم تولنا۔ تلقی جلب[۱]۔ احتکار[۲]۔ نجش[۳] (۱۱) مقدمہ بازی

(۱۲) اہل شہر کا بدوی زندگی اختیار کرلینا۔ اور صرف ان ضرورتوں پر قانع بنجانا۔ جس کا ذکر ارتفاق اول کے سلسلہ میں ہوا (۱۳) یا اس شہر کے سوا دوسرے شہر میں کاروبار پھیلانا اور بڑھانا۔

(۱۴) یا ایسی تقسیم کار جو مدنیت کے لئے مضر ہو مثلاً تاجر زیادہ ہوجائیں اور زراعت چھوڑ دیں۔ یا جنگ و جدال کو پیشہ بنالیں۔ حالانکہ کاشتکار۔ طعام

---

[۱] تلقی جلب کی صورت یہ ہے کہ دوسرے شہروں یا مضافات سے جو جنس شہر میں فروخت کرنے کے لئے لائی جارہی تھی اُسکو راستہ ہی میں کوئی شخص اس نیت سے خریدلے کہ شہر میں لاکر گراں فروخت کرے (جس سے شہر والوں کو نقصان پہنچے) [۲] غلہ وغیرہ خریدکر اس لئے محفوظ رکھنا کہ جب نرخ گراں ہوجائیگا تب فروخت کریگا۔ مگر یہ اس وقت شرعًا مکروہ ہے۔ جبکہ شہر والوں کو غلہ کی حاجت ہو اور یہ ان کی حاجت سے اپنا فائدہ حاصل کرے۔ اور اہل شہر کو نقصان پہنچائے۔

[۳] کسی سامان کو خود خریدنا نہیں چاہتا۔ مگر گاہک کو دھوکے میں ڈالنے کیلئے ایسا ظاہر کررہا ہے کہ وہ خود خریدتا ہے تاکہ اس دھوکے سے دُکاندار کی چیز کی قیمت

اور غلہ کی حیثیت میں ہونے چاہئیں۔ اور دستکار۔ تاجر اور سپاہی وغیرہ نمک کی حیثیت
میں ہونے چاہئیں۔ جو کاشتکار کی اصلاح کرتے رہیں اور (اوس کی پیدا کردہ
جنس پر ان کی صنعت ملکی سرمایہ میں اضافہ کرکے ملکی اور وطنی ترقی کا ذریعہ بن سکے
(۱۳) درندوں یا ضرر رساں حشرات الارض اور جراثیم کا زیادہ ہو جانا۔

شہریت کے لئے محافظ اور مفید (۱) رفاہ عام کی تعمیرات۔ جیسے شہر پناہ
پڑاؤ۔ سرائے۔ قلعہ۔ سرحد۔ بازار۔ پل۔ کوئے۔ چشمے نکلوانا۔ جہاز (۲) تجار
کو مانوس کرکے آمادہ کرنا کہ وہ غلہ وغیرہ ضرورت کی چیزیں لاکر فروخت کریں۔
(۳) اہل شہر کو غربا کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دینا۔
(۴) کاشتکار کو ترغیب دینا کہ کوئی زمین بیکار نہ چھوڑیں۔
(۵) کاریگروں کو بہترین صنعت کا شوق دلانا۔
(۶) شہر والوں کو حسن کتابت (فی زمانہ طباعت) حساب۔ تاریخ۔ طب
جیسے فضائل پر نیز اچھے کاموں میں اقدام پر آمادہ کرنا۔
(۷) شہر کے حالات سے آگاہی رکھنا تاکہ مفسد اور خیر خواہ کو پہچان سکے
اور تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون محتاج ہے۔ تاکہ اس کی امداد کی جائے۔ اور
کون کس صنعت کا ماہر ہے تاکہ اُس سے مدد لی جا سکے۔
آجکل شہروں کی بربادی کے بڑے سبب دو ہیں۔
(۱) بیت المال کو تنگ کر دیا گیا ہے۔ نام کے غازی۔ مولوی۔ زاہد
شعرا۔ پر لٹایا جا رہا ہے۔ کچھ بھک منگے اکٹھے ہو گئے ہیں۔ ان سب نے بیت المال
کے سرمایہ کو۔ اپنا کسب بنا لیا ہے۔ کام کرنا پیش نظر نہیں ہے۔ یہ لوگ اہل شہر

کے لیئے وبال جان بن گئے ہیں۔

(۲) کاشتکاروں۔تاجروں۔اور دست کاروں پر بھاری ٹیکس لگا دیئے گئے ہیں۔اون پر سختیاں کی جاتی ہیں۔

مدنیت کی اصلاح اس سے ہوتی ہے کہ تھوڑا محصول رکھا جائے اور فوج بقدر ضرورت ہو[1]

سلاطین کے ضروری اوصاف اور فرائض

اوصاف واخلاق ضروری ہے کہ (۱) بادشاہ۔بلند اخلاق۔بہادر ہو۔تاکہ دشمنوں کا مقابلہ کر سکے۔اور رعیت پر رعب رہے۔حلیم اور بردبار ہو۔عاقل ہو۔شریف الطبع۔صاحب الرائے۔مذکر۔فصیح وبلیغ۔شریف اور اعلیٰ خاندان جس کے شرف اور وقار کا لوگوں کے دلوں پر سکہ ہو۔

[1] یہ حضرت شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے متعلق لکھا ہے۔جس کو آج ہم یاد کر کے رو رہے ہیں۔آج اگر شاہ صاحب ہوتے تو کیا کہتے۔جبکہ اس زمانہ سے کہیں زیادہ ٹیکس ہیں۔صنعت تباہ کر دی گئی۔پولیس اور فوج کی یہ حالت ہے کہ ہندوستان کی آمدنی کا دو تہائی ان ہی پر صرف ہوتا ہے۔انگریزوں کی تنخواہوں کا یہ عالم ہے کہ کروڑوں ہندوستانی بھوکے مر رہے ہیں مگر انگریزوں کے ہاں شراب وکباب در بدترین عیش پرستی کے بعد تقریباً پچاس کروڑ روپیہ سالانہ یورپ بھیجا جاتا ہے۔ایک ہندوستانی پٹواری کی تنخواہ پندرہ روپے تو کلکٹر کی تنخواہ اوسطاً پندرہ سو روپیہ۔گویا ہندوستانی سے انگریز کی اجرت سو گنا زیادہ ہے ۱۲۰

(۲) عام باشندگان ملک کو یقین ہو کہ بادشاہ اُنکی خیرخواہی میں کوتاہی نہیں کرتا

(۳) وہ رعیت کے دل میں اپنی عظمت بٹھائے۔ اوسکو محفوظ رکھے۔ اور جو چیزیں اسکی عظمت پر اثر انداز ہوں مناسب تدبیروں سے انکو دفع کرتا ہے

فرائض | ایسے اخلاق سے آراستہ رہے جو ریاست کے مناسب ہیں۔ مثلاً شجاعت - دانائی - سخاوت - معافی - اور نفع عامہ کی خواہش - بادشاہ پر لازم ہے کہ انسانوں کے ساتھ ایسی تدبیریں کرتا رہے جیسے شکاری کہ وہ مناسب تدابیر سے شکار کو اتنا وابستہ کر لیتا ہے کہ آخر کو قابض ہو جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ وہ کریم الطبع ہو۔ اس کا منشا یہ نہو کہ وہ شکاری بنکر مسلط ہو جائے۔ بلکہ مقصود یہ ہو کہ خوشگوار طور پر ان کی اصلاح کرے۔

احسانات محبت پیدا کر دیتے ہیں - محبت کی زنجیریں لوہے کی بیڑیوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔ بہرحال ضروری ہے کہ وہ عالی اخلاق - کریمانہ اوصاف - عام ہمدردی اور محبت کے ذریعہ رعایا کو یقین دلا دے کہ اُسکا

ع بدور بازغہ میں فرماتے ہیں۔ ثم ليجعل اهل المدينة كلهم كابناء نفسه يحب لهم ما يحب لنفسه ثم ليقدم لنظر المدينة والشفقة عليها فانه يهدى الى اصوب العلاجات ان استقام على هذه النسبة وان اشتبه الامر مال الى الاسهل ص ۷۹ یعنی امام کا فرض ہے کہ تمام باشندگان مدینہ کو اپنی اولاد کی مانند رکھے۔ جو اپنے لئے پسند کرے وہی ان کے لئے پسند کرے۔ شہریت کے مصالح باشندگان پر شفقت اسکا نقطۂ نظر ہو جسکی طرف ہمیشہ اقدام کرتا رہے۔ کیونکہ اگر اس نظریہ پر استقلال سے جارہا تو ہر موقعہ پر نہایت مناسب اور درست علاج اس کے سامنے آجائیگا۔ (بقیہ حاشیہ ص ۱۳۲ پر)

وجود دولت ہے۔ اس کی نظیر ملنی ممکن نہیں۔ تاکہ اس کی قدر اور محبت ہر ایک کے دل میں جم جائے اور وہ اس کے وجود کو اپنے لئے نعمت تصور کرنے لگے۔ پھر اس کا فرض ہے کہ وہ اس کیفیت کو باقی رکھے۔ لہٰذا ایسی چیز ہرگز نہ ہو کہ راعی اور رعیت میں کوئی اختلاف پیدا ہو۔ اور اگر ایسا ہو بھی جائے تو لطف اور احسان سے اُس کا تدارک کردے۔

باایں ہمہ بادشاہ کا فریضہ یہ بھی ہے کہ نافرمان سے انتقام لیکر اس کو اطاعت پر مجبور کردے۔ مگر اس میں بھی اعلیٰ اخلاق۔ مروت اور عنایت کارفرما رہے۔

جس سے بہتر کارنامے صادر ہوں اس کی قدر کرے۔ اس کے وظیفہ میں زیادتی کردے۔ اور جس سے خیانت اور ادائیگی فرائض میں سستی کا احساس ہو اس سے اپنی عنایات ہٹالے اُس کے وظیفہ میں کمی کردے۔ مراتب میں تنزل کردے۔ اسی طرح یہ بھی فرض ہے کہ اہل ملک کی خوشحالی اور مادی ترقی کی کوشش کرتا رہے۔ مثلاً افتادہ زمینوں کو قابل کاشت بنانے میں سہولتیں پہنچائے۔ مگر نہ اس لئے کہ حکومت کے ٹیکس میں اضافہ ہو۔ بلکہ اس لئے کہ رعایا کی آسودگی دوبالا ہو۔

پابندی مشاورت سلطان کا یہ بھی فرض ہے کہ کسی کے ساتھ اس وقت سختی کرے۔ جب کہ ارکان مشورہ سے پورے طور پر تبادلہ خیالات کرلے۔ اور یقین کرے کہ کامل اور مکمل مصلحت کا یہی تقاضا ہے۔ ایک ایسی فراست اور بصیرت بہرحال

(بقیہ صفحہ ۱۳۱) اور اگر کسی معاملہ میں اسکو خلجان رہے شفقت اور نفع بخشی کا صاف پہلو سامنے نہ آئے تو جو شکل سہل تر ہو اسکو اختیار کرے (بدور بازغہ صفحہ ۷۹)

ضروری ہے۔ جس سے جذبات اور حالات کا صحیح اندازہ کرتا رہے۔ اور پھر جو چیز آج کے کرنے کی ہی۔ اس کو کل پر ہرگز نہ چھوڑے۔ اور نہ ایسے شخص سے درگزر کرے جس کا مطمح نظر حکومت اور ملک میں فساد پیدا کرنا ہو۔

اراکین حکومت | یہ تمام خدمات ایک شخص انجام نہیں دے سکتا لہٰذا سلطان کے لیئے لامحالہ کچھ مددگار ہونے چاہئیں۔ ایک ایک خدمت (محکمہ) کا ایک ایک شخص ذمہ دار قرار دیا جائے۔ ان لوگوں کے لئے سب سے مقدم یہ ہے کہ وہ دیانت دار ہوں۔ اور جو خدمت سپرد کی گئی ہے اس کے اہل ہوں۔ حکومت کے وفادار ہوں۔ پوشیدہ اور ظاہر ہر طرح خیرخواہ ہوں۔ جو شخص نااہل اور خائن ثابت ہو اسکو علیحدہ کر دینا ضروری ہے۔ اور ایسے شخص کو مامور ہی نہ کیا جائے جسکی علیحدگی مشکل ہو۔ یا جو سلطان کا عزیز رشتہ دار ہو جس کی علیحدگی میں فساد کا خطرہ ہو۔ طبعی صلاحیتوں کے اعتبار سے یہ وزرا گورنمنٹ کے ہاتھ پاؤں یا قوت طبعیہ۔ یا عقل و حواس کی حیثیت رکھیں گے۔ جبکہ یہ لوگ حکومت کی خدمت میں مصروف رہیں گے۔ تو اُن کی ضروریات کا تکفل حکومت کا فرض ہوگا۔

اس قسم کے وزرا کی کوئی تعداد معین نہیں کی جاسکتی۔ شہر کی ضرورتوں کے بموجب ان کی تعداد ہوگی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص دو محکموں کا وزیر ہو اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک محکمہ کے لئے دو ذمہ داروں کی ضرورت ہو۔ مگر اصولی طور پر پانچ ارکان ضرور ہوں گے۔

(۱) قاضی (جج یا مجسٹریٹ یا وزیر عدل)

(۲) امیر الغزاۃ (کمانڈر انچیف یا وزیر حرب)

(۳) سائس المدینہ (کوتوال - یا وزیر پولیس)

(۴) عامل (کلکٹر - یعنی عشر وخراج وصول کرنے والا - یا وزیر مال)

(۵) وکیل مطلق (جو سلطانی ضروریات کا متکفل ہو - کیونکہ فرض شناس سلطان کو مہمات ملکی اتنی مہلت نہیں دے سکتے کہ ذاتی ضروریات کی طرف متوجہ ہو) سلہ

البدور البازغہ میں ارشاد ہے کہ وزراسات ہونے چاہئیں - وزیر مال - وزیر جنگ - وزیر پولیس - وزیر عدل - شیخ الاسلام یا وزیر امور شرعیہ (۶) وزیر تعلیم وصنعت وحرفت - جو طب - شعر - نجوم - تاریخ - حساب - انشاء - وغیرہ وغیرہ سے واقف ہو (۷) وکیل مطلق یا مدار المہام - یا ہوم منسٹر -

اس کے بعد فرماتے ہیں - امام پر لازم ہے کہ وہ ان کے متعلق حالات اور امور کی نگرانی رکھے - جب کوئی غلطی دیکھے فوراً تنبیہ کرے اور اگر وہ اچھی طرح خدمات انجام دے رہے ہیں تو اُن کی حوصلہ افزائی کرے - اور اگر امام محسوس کرے کہ ایک آدمی اس مد کے متعلق خدمات اچھی طرح انجام نہیں دے سکتا یا خلیفہ اور امام کا اطاعت شعار نہیں تو وہ کام ایک کے بجائے چند آدمیوں کے سپرد کردے (ایک کمیٹی بنادے (بدور بازغہ ص۱۵۴ تا ۱۵۶)

سلہ سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں یہ ایک منصب تھا - اب سکریٹری ہوم منسٹر یا مدار المہام کے الفاظ سے اسکو تعبیر کیا جائیگا سلہ اس باب میں بہت سی عبارت کا ترجمہ احقر نے نہیں کیا - جسکو تفصیلاً درکار ہوں وہ حجۃ اللہ البالغہ باب سیاست الاعوان ملاحظہ فرمائیں - واللہ اعلم

خلافت کبریٰ یا فیڈرل گورنمنٹ کا صدر اعظم

ارتفاق رابع ——— یا چوتھا مرتبہ

ہر ہر شہر کا جب اندرونی نظام مستقل ہو گیا۔ اور اس کے نواب یا سلطان کے پاس اس شہر کے محصولات آنے لگے۔ مال فراہم ہو گیا۔ بڑے بڑے بہادر بھی آکر جمع ہو گئے۔ تو ان کی طبیعتوں کے فطری اختلاف مزاجوں اور طبیعتوں کا باہمی تفاوت نے لامحالہ اُن میں ظلم و تعدی کی بنیاد ڈالدی۔ ایک دوسرے کے مال پر نظر جمانے لگا۔

کبھی ایسا ہوا کہ ایک شہر والوں نے دوسرے شہر پر نظر لگائی۔ آپس میں جنگ و قتال بڑھا۔ امن و عافیت۔ برباد ہوئی۔ غیرہ وغیرہ تو اب ضرورت ہوئی کہ ایک بالا دست اقتدار اور طاقت ہو۔ جس کو خلیفہ کہا جائے۔

خلیفہ سے مراد وہی حاکم اعلیٰ ہے کہ جس کے پاس اتنے لشکر اور اتنا سامان ہو کہ اس پر دوسروں کا فتح پالینا محال اور ناممکن جیسا ہو۔ جب تک منظم طور پر مدت دراز تک انقلاب کی خطرناک اور صبر آزما کوشش نہ کی جائے

تکمیل نعمت اور جب ایسا خلیفہ متعین ہو جائے۔ اور ملک کا بہتر انتظام ہونے لگے۔ جبار اور قہار طاقتیں اس اقتدار اعلیٰ کے سامنے جھک جائیں۔ شہروں کے ملوک اور سلاطین مطیع ہو جائیں تو نعمت مکمل ہو جاتی ہے۔ شہر خدا کے بندے اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔

جہاد لیکن زمین کی پشت پر اب بھی وہ انسان اور وہ جابر طاقتیں باقی

رہجاتی ہیں۔ جن کی طبیعت پر انسانیت کے بجائے درندگی۔ حیوانیت اور بہیمیت کا غلبہ ہوتا ہے۔ جو کمزور بندگان خدا کے مال لوٹتے ہیں اُن کی اولاد کو قید کرتے ہیں (بیگار لیتے ہیں) اُن کی آبرو برباد کرتے ہیں تو لامحالہ خلیفہ مجبور ہوتا ہے کہ ایسی درندہ صفت اور جبار طاقتوں کا سر کچلے۔ تاکہ خدا کے کمزور بندے ظالموں کے شر سے محفوظ ہوں۔

چنانچہ اسی قسم کی ضرورت نے بنو اسرائیل کو مجبور کیا تھا۔ کہ انہوں نے اپنے نبی سے درخواست کی

ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ۔ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کردے۔ ہم راہ خدا میں جہاد کریں گے۔

انقلاب اور خلافت عظمیٰ کے محرک

شہوت پرست اور درندہ صفت نفوس جب خدا کی زمین کو اپنی ناپاک خواہشات کا نشاط گاہ بنا کر دنیا کو تباہ اور برباد کرنے لگتے ہیں تو خدائے بالا و برتر براہ راست یا انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے دلوں میں ڈالدیتا ہے کہ ان کی شوکت اور قوت کو توڑ دیا جائے اور ایسے بدذاتوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ جن کی اصلاح اور درستی کی توقع نہیں رہی۔ اور وہ نوع انسان کے جسم کے لئے سڑے ہوئے عضو کی طرح ہو گئے ہیں۔ یہی ضرورت ہے جس طرف قرآن پاک میں اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع — اگر خدا انسانوں کی ایک جماعت کو دوسرے کے ذریعہ نہ ہٹاتا۔ تو گرجا۔ مندر۔ نمازیں

وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ | اور وہ مسجدیں جن میں خدا کا ذکر بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔ سب برباد ہو جاتے۔

نیز ارشاد ہوا ہے۔

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ | ان درندہ صفت انسانوں سے جہاد کرو تا آنکہ فساد نہ رہے۔

اپنی دوسری تصنیف الخیر الکثیر میں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

الجہاد شر دق العداوۃ القدسیہ فی سورۃ القتل والاسر۔ کما ذکرنا (صفحہ ۱) | بذوات اغراض پرست انسانوں کے برخلاف جو مخالفت اور عداوت رب العالمین کی صفات رحمت اور ربوبیت کو ہے)

اسی مقدس عداوت کے ظہور کا نام جہاد ہے جو قتل و بندگی شکل میں آشکارا ہوتا ہے

فرائض خلیفہ | جابر اور قاہر بادشاہوں سے جنگ و قتال خلیفہ کے لئے اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مندرجہ ذیل امور مہیا نہ ہو جائیں:۔

(۱) کافی مال۔ (۲) کافی مجمع (۳) اُن اسباب اور وجوہات سے وقفیت جو جنگ کے خواہاں ہوتے ہیں یا صلح کے۔ اور خراج و جزیہ وغیرہ مقرر کرنے کے (۴) سب سے پہلے غور کرے کہ اس جنگ سے مقصود کیا ہے۔ آیا کسی ظالم

ع یعنی جہاد کا مقصد کسی انسان یا کسی طبقہ کے اغراض کی تکمیل نہیں۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ درندہ صفت اور اغراض پرست انسانوں کے مقابلہ میں ایک خداوندی قہر بنکر ظہور پذیر ہو۔ جس کا مقصد انسانی اغراض کو پورا کرنا نہ ہو۔ بلکہ غریب اور کمزور انسانوں کے لئے خداوند عالم کی صفت رحمت کا ظہور اس کا مقصد ہو۔

کی مدافعت۔ یا درندہ صفت اور بہیمیت نواز انسانوں کی تباہی۔ جن کی اصلاح اور درستی کی امید باقی نہیں رہی۔ یا کچھ سرکشوں کی ایسی سرزنش جس سے اُن کی شوکت اور قوت ٹوٹ جائے یا فساد انگیز قوم کی تنبیہ جو اُن کے سرداروں کو قتل کر دینے یا ان کو قید کر دینے اور اُن کے مال اور جائداد ضبط کر لینے یا ان کی رعیت کو اُن سے برگشتہ کر دینے وغیرہ وغیرہ سے حاصل ہو سکتی ہے

(۵) یہ خلیفہ کے لئے کسی صورت سے بھی جائز نہیں کہ کسی چھوٹے سے کام کے لئے بڑے مقصد کو برباد کر دے۔ مثلاً کسی موافق اور مصالح جماعت کو ناراض کر کے اُن کے ٹیکسوں سے خزانہ پر کرنا۔

(۶) لوگوں کو مانوس کرنا۔ ہر ایک کی حیثیت پہچاننا۔ سرداران قوم۔ ہوشیار اور سمجھدار لوگوں کی قدر افزائی اور اُن کو رغبت دیکر یا ڈرا کر دشمنوں سے مقابلہ کرنے پر آمادہ کرنا۔ بادشاہ کے فرائض میں ہے۔ وغیرہ وغیرہ

سیاست اس بحث کے آخر میں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

اعلم ان الرسوم من الارتفاقات هي بمنزلة القلب من جسد الانسان وايا ها قصدت الشرائع اولا وبالذات وعنها البحث في النواميس الالٰهية - واليها الاشارات

یاد رکھو کہ مذکورہ بالا چاروں مراتب ارتفاقات کے ضمن میں جن طریقوں اور رسومات کا ذکر کیا گیا ہے اُنکی حیثیت عالم انسانی کے لحاظ سے ایسی ہے جیسے بدن انسان کے لئے دل کی حیثیت (جب دل فساد پذیر ہو جاتا ہے تو سارے بدن ہی کو فاسد کہا جاتا ہے) چونکہ عالم انسان کے

امن وسلامتی کا اصل تعلق انہیں رسومات سے ہے تو شریعت سب سے پہلے ان ہی کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور آسمانی مذاہب میں سب سے پہلے ان ہی سے بحث کی جاتی ہے اور ان ہی طرف اشارات ہوتے ہیں۔

نتیجہ (از محمد میاں)

عالم انسان کی موجودہ تباہ حالی پر ماتم کرنے والے مندرجہ ذیل اصول کا خاص طور پر لحاظ رکھیں جو ملت اسلامیہ کی روشنی میں حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے بیان فرمائے ہیں۔

(۱) نظام حکومت کا سنگ بنیاد مادی ضرورتیں ہیں۔

(۲) مقصد امن اور سلامتی عالم ہے۔

(۳) طریقہ یہ ہے کہ پورے شہر کو ایک جسم کی حیثیت دی جائے۔

(۴) جبر و قہر کے بجائے باہمی تعاون اور باہمی امداد سے کام ہو۔

(۵) اقتدار اعلیٰ یا خلافت عظمیٰ اس لئے نہیں کہ زیردستوں کو لوٹ کھسوٹ کر ان کو غلام بنا کر بالادستوں کو شہوت رانی اور عیش پرستی کا موقعہ دیا جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ کمزوروں کی عافیت اور ان کا امن واطمینان برقرار رہے۔ وہ اپنی حدود میں آزاد رہیں اور بین الاقوامی یا متعدد شہروں کے روابط اور تعلقات خوشگوار ہوں

(۶) تمدن انسان کا فطری خاصہ ہے۔ اسی کا باعث اجتماعی زندگی کی بنیاد پڑی۔ اس کی ترقی انسانیت کی ترقی ہے۔ لہٰذا دستکار۔ کاشتکار۔ تاجر

پیشہ ور اقوام اور افراد کی حوصلہ افزائی اور قدر دانی انسانی حکومت کا اولین فرض ہے۔

(۷) جب جاہ ثروت اور دولت تعمیر عالم اور ترقی ملک کا سبب ہوا کرتی ہیں۔ لیکن جب ملک کے دوسرے طبقات پر برا اثر پیدا کریں تو یہی چیزیں مدنیت اور شہریت کے لئے امراض ہوں گی جس کا علاج خلیفہ کا منصبی فرض ہے۔

(۸) بلاشبہہ ان تمام مقاصد کے لیئے دنیا میں کچھ نہ کچھ طریقے رائج ہیں۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا کسی نظام حکومت پر بھی آج تک مطمئن نہیں ہو سکی۔ کیونکہ اُن کی وضع کے وقت انسانوں کے فطری جذبات کو سامنے نہیں رکھا گیا۔ بلاشبہہ اگر کوئی دستور انسانیت کیلئے اطمینان بخش ہو سکتا ہے تو صرف وہی قانون جو اُس کے خالق نے یعنی اس ذات نے بنایا ہو۔ جس نے انسان کو اُس کے جذبات اور میلانات کو اور اُس کی عقلوں اور ذہنیتوں کو پیدا کیا ہے۔ اور وہ نہ صرف خالق ہے بلکہ رب العالمین ہے۔ احکم الحاکمین ہے۔ لہٰذا ملک الناس ہے۔ الٰہ الناس ہے

آسمانی شریعتیں اسی قانون کی تعلیم کے لئے آئیں۔ جو عبادات کے ساتھ ساتھ سیاسیات کی مصلح اور معلم ہیں۔

اور پھر عبادات کی طرح امن و سلامتی کے اس دستور مکمل کی تکمیل بھی اوس قدر ہوئی جس روز عرفات کی چوٹیوں پر وحی الٰہی کی یہ آواز گونجی تھی۔

الیوم اکملت لکم دینکم آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ تم پر

واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینًا	اپنی نعمت کردی۔ اور تمہارے لئے اسلام کو دین (قانون) کی حیثیت سے پسند کر لیا۔

(۹) جہاد کا مقصد قتل وخون نہیں بلکہ جہاد اس لئے ہے کہ دنیا سے قتل وخون بہیمیت۔ درندگی اور بیجا ظلم وستم جبر وقہر۔ زبردستی اور چیرہ دستی کی بنیاد دیں کھود کر پھینکدے۔

اضافہ گذشتہ صفحات میں جن مباحث کا ترجمہ پیش کیا گیا۔ ان کا تعلق تمدن کے جملہ ابواب سے ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ وہ ہے۔ جس میں نظام حکومت کی تعمیر اقتصادی اصول پر قائم کی جاتی ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن اصول کو بھی بیان کر دیا جائے۔ جو اقتصادیات کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان فرمائے ہیں (ملاحظہ ہو ابواب ابتغاء الرزق جلد دوم)

(۱) چونکہ انسان مدنی الطبع ہے۔ مل جلکر رہنا اُس کی فطرت ہے۔ لہٰذا طبعی اور فطری فیصلہ ہے کہ تمام انسان آپس میں ایکدوسرے کے مددگار رہیں اور مجبور ومعذور کے سوا ہر ایک شخص کسی ایسے کام میں لگا رہے۔ جو تمدن کے لئے مفید ہو

(۲) کسب معاش کے لئے لازمی شرط ہے کہ ایک کا ذریعہ معاش دوسرے کے لئے کوئی ایسی تنگی نہ پیدا کر دے۔ جس سے تمدن بھی برباد ہو جائے۔

(۳) ذریعہ آمدنی کوئی ایسا باہمی تعاون ہو۔ جس کے بغیر شہری اور

ع حضرت شاہصاحب الخیر الکثیر میں فرماتے ہیں الجہاد شرع فی العداوۃ الفقد سیئۃ فی سورۃ القتل والاسر (الخیر الکثیر ص ۱۰۷)

اقتصادی حالات کا درست رہنا محال یا مشکل ہو جائے۔ مثلاً ایک شہر سے دوسرے شہر میں مال لیجانا۔ جدوجہد اور مناسب کوشش سے دلالی۔ کوئی عمدہ صنعت کر کے جنس خام کو بہتر اور نفع بخش بنانا۔ وغیرہ وغیرہ

(۴) ہر ایسا ذریعہ آمدنی۔ اصول مدنیت کے لحاظ سے حرام اور ممنوع ہو گا۔ جس کو امداد باہمی میں کوئی دخل نہ ہو۔ مثلاً جوا۔ سٹہ۔ وغیرہ۔

(۵) ہر ایسا ذریعہ آمدنی اصول مدنیت کے لحاظ سے حرام اور ممنوع ہو گا جس میں اگرچہ بظاہر طرفین سے رضامندی ہو۔ مگر وہ جبر اور تعدی کے مشابہ ہو۔ مثلاً سودؔ[1]

کیونکہ مفلس شخص مجبور رہوتا ہے کہ ایسی شرط کو منظور کرے جسکو پورا کرنے پر وہ قادر نہیں۔ ایسے شخص کی رضامندی درحقیقت رضامندی نہیں ہے۔ لہذا اس قسم کے معاملات پسندیدہ نہ ہوں گے۔ نہ یہ تمدن کے لئے مناسب فرائع بن سکتے ہیں۔ فلسفہ مدنیت کے اصول کے لحاظ سے ایسا ذریعہ آمدنی حرام اور باطل ہے

(۶) تمام زمین درحقیقت مسجد یا موقوفہ سرائے کے مثل ہے۔ تمام مسافر سرائے میں شریک ہیں۔ پھر سلسلہ وار پہلے مسافر کو دوسرے پر مقدم رکھا جائیگا۔ آدمی کے حق میں ملکیت کے یہ معنی کہ یہ مالک اس زمین سے نفع حاصل کرنے میں

---

[1] یہاں سے ۶ تک ہم نے حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت کا ترجمہ پیش کیا ہے فقہاء احناف نے اسی کے مرادف دو اصول قرار دئے ہیں (۱) الضرر یزال یعنی نقصان کو اٹھانا ضروری ہے (۲) خاص خاص افراد کے نفع پر عوام کے نفع کو ترجیح دی جاتی ہے ملاحظہ ہو الاشباہ والنظائر)

دوسرے کے مقابلہ پر مقدم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
عادی الارض للہ و رسولہ عادی زمین اللہ اور اس کے رسول کی
ثم ھی لکم منی لے ہے۔ پھر وہ میری طرف سے تمہاری ہے۔
(۷) درحقیقت ہر ایک چیز اللہ کی ہے۔ اس میں کسی کا بھی حق نہیں مگر
جبکہ خداوند عالم نے زمین اور زمین کی تمام چیزوں سے نفع حاصل
کرنے کی اجازت دیدی تو انسان کی حریص اور بخیل طبیعت کی بنا پر جھگڑوں
کے انسداد کے لئے یہ حکم بھی ہوا۔ کہ جس شخص کو کسی وجہ سے سبقت اور تقدم

لے اس تمام نمبر کا ترجمہ لفظی کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اس کے اول
اور آخر میں جو تقریر فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جنگل یا اس قسم کی غیر مزروعہ
اور غیر آباد زمین اللہ کی ملک مانی جاتی ہے۔ جو انسان اسکو آباد کرلے۔ وہ اسکی
ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من احیا ارضا میتۃ
فھی لہ (جو شخص غیر مزروعہ زمین کو قابل کاشت کرے وہ اسکی ہے۔ اسی طرح
اگر کوئی زمین غیر آباد ہو جائے جس کے مالک کا پتہ نہ رہے۔ اس کے متعلق بھی یہی حکم
ہے کہ جو آباد کرے اس کی ہے۔ اس قسم کی زمین کو "عادی" کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد اس کے متعلق ہی یہی ہے عادی الارض للہ ورسولہ ثم
ھی لکم منی (عادی زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے پھر وہ میری جانب سے
تمہارے لئے ہے) خاکسار کے خیال میں یہ دونوں حدیثیں قرآن پاک کی مندرجہ ذیل
آیات کی تشریح ہیں۔ (۱) ان الارض للہ یورثھا من یشاء (باقی صفحہ ۱۴۴ پر)

حاصل ہو۔ اس کے حق میں مداخلت نہ کی جائے ؏

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ابیض بن جمال مار بی" کو نمک کی کان جو "مارب" میں تھی بطور جاگیر دیدی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ اس کان سے چشمہ کی طرح خود بخود پانی نکلتا رہتا ہے (وہی نمک بن جاتا ہے) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس لے لیا۔ شاہ صاحب مندرجہ بالا احدیث پیش کر کے فرماتے ہیں کہ ایسی کان (جس میں کچھ زیادہ محنت نہ کرنی پڑتی ہو) کسی ایک شخص کو دیدینا۔ عوام کو نقصان پہنچانا ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حکم منسوخ فرمادیا۔

(۹) جب کسی آبادی میں انسانوں کی بڑی تعداد مثلاً دس ہزار آدمی رہتے ہوں تو شہری سیاست اب ان کے ذرائع آمدنی پر بھی بحث کرے گی۔ کیونکہ

(صـ۱۸۳ پر ملاحظہ ہو)

(بقیہ صـ۱۴۳) (۲) ان الارض للہ یرثھا عبادی الصالحون۔ یعنی زمین اللہ کی ہے۔ میرے نیک بندے اس کے وارث ہوں گے۔

علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن حکیم میں انسان کو خلیفہ (نائب) قرار دیا گیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کے لئے خلیفہ اور سلطان سے اجازت لینی ضروری ہے۔ مگر اس کا منشا صرف یہ ہے کہ نظام باقی رہے ۱۲

عـ اس اصول کے استدلال میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی ہے۔ کہ لاٹھی۔ کوڑا۔ رسی یا اس قسم کی معمولی چیز جو پڑی ہوئی ملجائیں انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھانے والے کیلئے مباح فرمایا ہے۔ کیونکہ جب انکا مالک نہ ملا تو وہ خدا کا مال ہیں جو ہر اس شخص کے لئے مباح ہے جو اٹھالے (اس قسم کی چیزوں کے تفصیلی احکام علماء سے دریافت کئے جائیں)

(۲)
باب دوم
خاندان ولی اللّٰہی کا دوسرا طبقہ
سیدنا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ العزیز
از ۱۱۷۳ھ تا ۱۲۳۹ھ

تاریخ دنیا میں ایسے خاندان بہت ہی کم ملیں گے جنکا ہر ایک فرد علم و ہدیٰ زہد و تقویٰ کا آفتاب ہو۔ سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے پانچ فرزند تھے۔ اور ہر ایک رشد و ہدیٰ کا امام زہد و تقویٰ کا بدر منیر۔ لیکن تمام اولاد میں سیدنا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو زیادتی عمر۔ نیز علمی اور روحانی کمالات کے اعتبار سے جو امتیاز حاصل تھا۔ نسبتاً اور حضرات اس درجہ نہ تھی۔ چنانچہ آپ کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا جانشین مانا گیا۔ اور یہ بھی ایک کرشمۂ قدرت ہی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات بھی اپنے تمام بھائیوں کے بعد ہوئی اسی لئے ہم نے شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کو اس طبقہ کی انتہا قرار دی۔

اس طبقے کے مقدس ارکان اگرچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور آپکے جملہ بھائی صاحبان ہیں۔ مگر چونکہ سند حدیث کے سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کا واسطہ ہوتا ہے۔ اسلئے اکابر دیوبند کے سلسلہ میں اس طبقہ میں سے صرف حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے متعلق ہی کچھ تحریر کرنا۔ اس مختصر مضمون کے مناسب معلوم ہوا اسی سے دیگر حضرات کی خدمات جلیلہ کا بھی اندازہ ہو جائیگا

پیدائش تعلیم اور علمی خدمات | آپ ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام غلام حلیم رکھا گیا۔ علمی اور روحانی اعتبار سے آپ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے سچے جانشین تھے۔ تقریباً پندرہ سال کی عمر میں علوم ظاہرہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر علمی اور سیاسی خدمات میں مشغول ہو گئے۔ حلقۂ درس کی وسعت کی بنا پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے بعد تمام علمائے ہند کا استاذ کہا جائے تو بجا ہے۔ علمی عظمت، روحانی جلالت، اخلاقی وقار اور تبلیغ سنت نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے آپکو زہد، تقویٰ، صداقت، جرأت، دور اندیشی، معاملہ فہمی اور حد درجہ سادگی کا ممتاز پیکر بنا دیا تھا۔

علمی اور تبلیغی خدمات

تبحر علمی | حدیث۔ فقہ۔ اور تفسیر وغیرہ کے متعلق تو حضرت شاہ عبدالعزیز کی حذاقت اور اعلیٰ مہارت مسلمہ ہے لیکن ہم جیسے مولویوں کیلئے صاحب حیات ولی کے یہ الفاظ عبرت آموز ہیں کہ-

"شاہ عبدالعزیز صاحب چھوٹی سی عمر میں لائق ریاضی داں اور قابل منطقی بن گئے تھے۔ اور تواریخ و جغرافیہ میں بھی اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ آپ کی قابل قدر تصانیف سے اسکا بہت کچھ ثبوت ملتا ہے۔ اور یہ بخوبی تحقیق ہو گیا ہے کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو ان علوم سے خاص دلچسپی تھی اور تواریخ و جغرافیہ کے جوہر دنکی کنجیاں آپکے ہاتھ میں تھیں۔ جیسا کہ آپ کے اس قصیدہ سے ثابت ہوتا ہے۔ جس میں آپ نے سوڈان کے حالات و واقعات کا پورا فوٹو کھینچا ہے۔ اور اس ملک کی مفصل کیفیت درج کی ہے"[1]

اس کے بعد مصنف مذکور فرماتے ہیں۔

"قطع نظر فنون اکتسابی اور علوم ظاہری کے آپ وہبی فیوض اور باطنی علوم سے بھی

[1] حیات ولی ص ۳۲۳

معزز اور ممتاز تھے۔ اگرچہ تمام علوم عقلیہ مثل حکمت منطق۔ ہندسہ ہیئت وغیرہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے لیکن اپنی تمام ہمت واوقات حدیث نبوی کے غوامض کی تحقیق اور کلام الٰہی کی تفسیر اور حضرت رسالت پناہی کی مقدس و بزرگ شریعت کی اشاعت و توسیع میں صرف فرماتے تھے۔ اور طالبان صافی نہاد کی ارشاد و تلقین کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتے تھے۔ ورنہ علوم عقلیہ میں ایسا کونسا علم تھا جس میں آپ کو دعوی یکتائی اور یکفنی حاصل نہ تھا۔ اور وہ کون فن تھا جس میں آپ کو تبحر اور عبور حاصل نہ تھا۔

حافظہ مصنف مذکور تحریر فرماتے ہیں۔ آپکا حافظہ لوح تقدیر کا اَن مٹ نسخہ تھا اکثر ایسا ہوا ہے کہ آپنے غیر مشہور کتابوں کی طویل طویل عبارتیں صرف اپنی یاد کے بھروسہ پر طلبہ کو لکھوا دیں۔ لیکن جب کبھی اتفاق سے کتابیں دستیاب ہوئیں اور لکھائی ہوئی عبارتوں کا مقابلہ کیا گیا تو سر مو فرق نہ تھا (حیات ولی صفحہ ۳۳۶)

درس و تدریس مصنف مذکور فرماتے ہیں۔

جسطرح سلاطین تیموریہ کے خاندان میں نسلاً بعد نسل سلطنت و حکمرانی چلی آتی تھی اسیطرح آپکے عظیم الشان اور واجب التعظیم خاندان میں علوم و فنون بطناً بعد بطن و صلباً بعد صلب چلے آتے ہیں۔ —— شاہ عبدالعزیز صاحب جب عقلی و نقلی علوم کی تحصیل اور باطنی کمالات کی تکمیل سے فارغ ہوئے۔ تو آپکے والد بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے چند روز بعد سفر آخرت قبول کیا۔ اور آپکی فائض البرکات ذات سے مسند خلافت نے زینت اور و سادہ ارشاد و ہدایت نے بے انتہا رونق حاصل کی کیونکہ مولانا رفیع الدین صاحب اور مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہما آپکے چھوٹے بھائی والد ماجد کے سامنے نہایت کم سن تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے علوم و فیوض حاصل کرنے تھے

جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے انتقال کے وقت آپکی سترہ برس کی عمر تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں لوگ آپکے پاس تعلیم پانے کے لئے آنے لگے۔ اور سب نے آپکو مقتدا تسلیم کرلیا آپ نے والد کی جگہ بیٹھکر نہایت مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ طلبہ کو پڑھانا شروع کیا اور حدیث و تفسیر کے علاوہ دیگر مروجہ علوم کا درس دینے لگے۔ شوقین طلبہ دور دور سے آتے اور آپکی درسگاہ میں داخل ہونے کو ذریعہ فخر سمجھتے۔ چونکہ آپ طلبہ کے ساتھ نہایت مہربانی اور کریمانہ اخلاق کے ساتھ پیش آنیکے علاوہ بڑی محنت اور جانکاہی سے پڑھاتے تھے۔ اسلئے اب یہ مدرسہ انتہا درجہ شہرت پکڑ گیا تھا۔ ہر وقت آپ کی درسگاہ اور مکان کے دروازہ پر طلبہ کا ہجوم رہتا اور لوگ جوق جوق حاضر ہوتے تھے

تبلیغ و اصلاح اس سلسلہ میں مفصل تحریر ناظرین کرام انشاء اللہ چند صفحات کے بعد ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں حیات ولی کی عبارت درج کی جاتی ہے :-

ابتدائی زمانہ میں فرقہ اثنا عشریہ نے تمام ہندوستان میں ایک خوفناک ڈنڈ مچا رکھی تھی جس سے بعض اہل تسنن عوام و جہال کے دلوں میں ایک طرح کا تردد اور تذبذب پیدا ہوگیا تھا۔ قریب تھا کہ ان کے عقیدے بگڑ جائیں کہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے اکثر ممتاز علماء کی التماس پر تحفہ اثنا عشریہ لکھی جو اپنی انتہا درجہ کی شہرت کی وجہ سے محتاج تعارف نہیں۔ پھر یہ کسقدر حیرت کی بات ہے کہ باوجود اس کثرت ضخامت کے (تقریباً ۱۲ سو صفحات کی کتاب ہے سائز کلاں) آپنے تھوڑے عرصہ میں اس کتاب کو مرتب کردیا۔ کتاب کی پوری خوبی تو اس کے مطالعہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ لیکن مختصر یہ ہے کہ ادنیٰ درجہ کا طالب علم بھی جو کچھ بھی علمی سرمایہ نہ رکھتا ہو۔ اسے دیکھکر علماء شیعہ سے نہایت دلیری اور بیباکی سے مباحثہ اور مناظرہ کر سکتا ہے۔ چند معتبر اور ثقہ

لوگوں سے سنا گیا ہے کہ جب آپ تحفہ اثنا عشریہ کی تصنیف و تالیف میں مصروف تھے تو کتابوں کی عبارتیں اور روایتیں اس طرح زبانی ارشاد فرماتے تھے کہ گویا اس فن کے متعلق تمام کتابیں آپ کو ازبر ہیں اور کتابیں بھی وہ جنکو سنی تو درکنار شیعہ علماء نے بھی نام سننے کے سوا کبھی مطالعہ نہ کیا ہوگا۔

ہفتہ میں دو بار منگل اور جمعہ کو دہلی کوچہ چیلاں۔ پرانے مدرسہ میں مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی۔ جس میں خواص و عوام سو دو سو سے زیادہ جمع ہو جاتے تھے۔ آپ کی معجزانہ تقریریں وہ اثر ہوتا تھا کہ مخالفین گھروں سے اعتراض کا ارادہ کرکے چلتے۔ لیکن وہاں بجز سکوت اور تسلیم کے کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہ ہوتی۔ آپ کا طرز بیان ایسا عجیب تھا کہ ہر مذہب و ملت کا آدمی مجلس وعظ سے خوش ہو کر اٹھتا تھا اور آپ کی کوئی بات کسی پر گراں نہیں گزرتی تھی۔

معجزانہ پابندی آپکو خلق اللہ کی ہدایت و رہنمائی کا خیال ہر وقت پیش نظر رہتا چنانچہ اشتداد مرض کے زمانہ میں جب آپکے وعظ کا دن آیا تو آپنے حاضرین سے فرمایا کہ مجھے اُٹھا کر بٹھا دو۔ اور دو آدمی میرے مونڈھے پکڑے رہو لیکن جب بیان کرنا شروع کروں تو دونوں شخص مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں۔ چنانچہ آپکے ارشاد کی تعمیل ہوئی اور آپ نہایت اطمینان سے وعظ فرماتے رہے۔ گو لب و لہجہ سے ناتوانی اور کمزوری کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن استقلال ویسے ہی اپنا رنگ جمائے ہوئے تھا۔ وعظ ختم کرنے کے بعد آپنے خدائے ذوالجلال کے دربار میں ہاتھ اٹھائے۔ اور اپنے نیز تمام مسلمانوں کیلئے نہایت خشوع اور خضوع سے دعا کی۔ زاں بعد یہ آیۃ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین تلاوت کی۔ اور اپنے عزیز و اقارب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میری

ملکیت میں جسقدر نقد و اسباب ہے سب ایک جگہ جمع کردو اس ارشاد کی تعمیل ہوئی اور گھر والوں نے آپکا سارا اسباب و نقد و جنس جسقدر تھا ایک جگہ جمع کردیا۔ آپنے آیۃ مذکور کے منشا کے مطابق تمام جائز وارثوں کے حصے علیحدہ کردئے۔ اور جو شخص جسقدر شرعی استحقاق رکھتا تھا آپنے اپنے ہاتھ سے اُسے دیدیا۔ اُسکے بعد آپنے عربی فارسی کے چند اشعار جو معرفت الٰہی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے ایسے دردناک لہجے میں ادا کئے جس سے سننے والوں کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ بدن میں سنسنی پیدا ہوگئی۔

اس موقعہ پر ایک خاص حکایت قابل ذکر ہے جس سے ہندو مسلم تعلقات پر ایک تبصرہ ہو جائیگا۔ اگر ہم سے اس قسم کی رواداری آج ظاہر ہو۔ تو کانگرسی مولوی ہندو پرست کہا جائیگا۔ لیکن خوش قسمتی سے امیر شاہ خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت فرمودہ ہے جسکی تصدیق حضرت حکیم الامت مولینا اشرف علی صاحب نے بھی اسطرح فرمائی ہے کہ اسکا حاشیہ تحریر کیا ہے۔ ہم اس حکایت کو مع حاشیہ مولینا اشرف علی صاحب درج کرتے ہیں

"امیر شاہ خان صاحب[1] نے فرمایا" مجھ سے قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی اور مولوی عالم علی صاحب مرادآبادی نے بیان فرمایا کہ میاں صاحب (شاہ محمد اسحٰق صاحب نبیرہ حضرت

---

[1] یہ ایک عجیب بزرگ تھے۔ راقم کو بھی شرف زیارت حاصل ہوا ہے۔ علوم عربیہ سے واقف نہ تھے۔ مگر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز اور اس زمانہ کے بزرگان دین کی خدمت بہت زیادہ کی تھی جسکی بدولت ہم جیسے عالموں سے بدرجہا بہتر واقفیت رکھتے تھے۔ حافظہ اسقدر قوی تھا۔ کہ جو چیز جب کبھی سنی وہ بلفظہ باقی رہی وہ ان اکابر کے حالات خوب بیان کیا کرتے تھے اور لطف یہ ہے کہ اگر کسی موقعہ پر ان بزرگوں نے کوئی تقریر فرمائی تھی تو وہ بھی انکو بجنسہ یاد ہوتی تھی۔ سیدنا حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری جلیل امام وقت بھی بسا اوقات دریافت فرمالیتا تھا کہ اس مسئلہ میں اگر آپ نے کچھ سنا ہو تو فرمائیے خاں صاحب ان اکابر میں سے کسی کی تقریر بجنسہ نقل فرمادیتے اور وہ حضرت شاہ صاحب جیسے علامہ کے لئے موجب تسکین ہوتی۔ نہایت ظریف تھے۔ چچا تکیہ کلام تھا۔ ہم سے کہا کرتے تھے کہ چچا مزاج اچھا ہے آپکی بیان کردہ روایات کو ایک کتاب میں جمع کردیا ہے جس کا نام "امیر الروایات" ہے

شاہ عبد العزیز صاحب کا لقب ہے) فرماتے تھے: ان العبد لیعمل بعمل اہل النار ثم یسبق علیہ القدر
فیعمل بعمل اہل الجنۃ ویدخل الجنۃ کا مصداق ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔
(ترجمہ حدیث شریف) بندہ دوزخیوں کا عمل کرتا رہتا ہے پھر تقدیر سبقت کرتی ہے اور وہ
جنتیوں کا عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہوجاتا ہے) واقعہ اس کا یہ ہے کہ نانا صاحب (شاہ عبد العزیز
صاحب) کے دربار میں ایک پنڈت حاضر ہوا کرتے تھے۔ جو کہ لڑکپن کے زمانہ سے اُنکے دوست
تھے۔ ہم اُنکو نانا کہا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ روزانہ صبح کو مدرسہ میں آتے اور کنوئیں
پر نہاتے اور سورج پر جل چڑھاتے۔ یہ بات ہم لوگوں کو گراں تھی۔ مگر ادب[1] کی وجہ سے
ہم کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اب نانا صاحب کا انتقال ہوگیا اور مدرسہ کا اہتمام ہمارے ہاتھ میں
آیا اور ان پنڈت کا وہی معمول رہا۔ مگر ہم اب بھی کچھ نہ کہہ سکے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ کنوئیں پر سورج کی طرف منھ کرکے اور ہاتھ میں لٹیا لئے
سورج پر جل چڑھانے کیلئے کھڑا تھا۔ مگر چڑھایا نہ تھا۔ اتفاق سے میں پہنچ گیا۔ میں نے اسوقت
کے قاعدے کے مطابق اسے سلام[1] کیا۔ اس نے مجھے دعا دی اور کہا میاں یہاں آؤ۔ میں گیا
تو اس نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ ہماری تمہارے نانا سے بچپن کی دوستی ہے اور وہ دوستی
اُنکے انتقال کے وقت تک برابر قائم رہی۔ اور آنا جانا۔ اُٹھنا بیٹھنا میل ملاپ بہت کچھ
رہا مگر نہ اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ مسلمان ہوجاؤ[2] اور نہ مجھے کبھی اسکا خیال ہوا لیکن آج
آپ ہی آپ میرا دل بے چین ہے اور بیساختہ جی چاہتا ہے کہ میں مسلمان ہوجاؤں کیونکہ میں

---

[1] یعنی حضرت شاہ صاحب کے ادب کی وجہ سے۔ [2] مولانا اشرف علی صاحب مولانا اشرف علی تھانوی حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کافر کو سلام ضرورۃً یا معتد بہا اعتبار کے قابل مصلحت یا کسی حال محمود (بہتر حالت) کے غلبہ سے جائز ہے۔ اور احتمال ثالث پر وہ غلبہ حال ادب تھا حضرت شاہ صاحب کا۔ [3] مکشوف ہوا ہوگا کہ اس کے اسلام کا فلاں وقت معین ہے اس لئے اس سے پہلے توقع قبول نہ تھی اور عدم توقع کے وقت امر بالمعروف کا ضروری نہ ہونا ہی مذکور ہوا۔ مولانا اشرف علی صاحب۔ مختصر یہ کہ عملاً دعوت تو ہر مسلمان ہر وقت دیتا ہے باقی قولاً دعوت اسلام اس وقت پیش کی جائے جب اسکے لئے موزوں وقت ہو قبولیت
کی توقع ہو۔ واللہ اعلم محمد میاں۔

ہمیشہ سے سورج کی پرستش کرتا ہوں۔لیکن آج مجھے خیال آیا کہ جب ہم چاہتے ہیں
چلتے ہیں اور جب چاہتے ہیں آرام کرتے ہیں۔اور جہاں چاہتے ہیں جاتے
ہیں اور جہاں چاہتے ہیں نہیں جاتے۔مگر سورج ہی کہ رات دن مارا مارا پھرتا
ہے۔نہ وہ ایک دم کے لئے ٹھہر سکتا ہے اور نہ وہ اپنی معینہ چال کے خلاف چل سکتا
ہے۔بس معلوم ہوا کہ وہ تو ہم سے بھی زیادہ مجبور اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے
اور ہرگز قابل پرستش نہیں۔نیز معلوم ہوا کہ دین اسلام دین حق ہے۔بس
بیٹا تم مجھے مسلمان کرلو۔میں اسلام کی باتیں جانتا ہوں۔مگر میں چاہتا ہوں کہ
تمہارے ہاتھ پر اسلام لاؤں تاکہ تم میرے اسلام کے گواہ رہو۔میں نے
کہا آپ کو ختنہ[1] کرانی پڑیں گی۔اُس نے کہا جو کچھ تم کہو گے میں سب کچھ کرونگا

الحاصل میں نے اُسے مسلمان کیا اور اُس کی ختنہ کرائیں۔اُس
نے یہ بھی کہا کہ میرے بیٹی بیٹا نہیں، ہاں پوتے نواسے ہیں۔مگر جب میں
مسلمان ہو جاؤں گا وہ سب میرے مخالف ہو جائیں گے۔اس لئے میں
چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے یہاں رہنے کے لئے جگہ دیدو۔کھانے پینے کے لئے
میرے پاس بہت کچھ ہے۔میں نے کہا کہ اگر آپ کا جی چاہے تو مال بھی
اپنے پوتوں وغیرہ ہی کو دیدیجئے۔میں اپنے نانا کی طرح آپ کی خدمت کرونگا۔

[1] یعنی اسلام کے لئے شرط تو نہیں کہ اسکے بغیر اسلام ہی قبول نہو۔ہاں حکم یہ ہے کہ ختنہ ہونی
چاہئیں۔لیکن اگر کوئی ختنہ پر آمادہ نہ ہو تو اُس کو مسلمان تو کرلیا جائے گا۔لیکن اسلام کا یہ حکم
پھر بھی بتا دیا جائیگا۔اور بالغ کے بدن کو ختنہ کی ضرورت سے دیکھنا گو اس میں اختلاف
مگر بہت سے فقہا نے اس کے جواز کو ہی راجح کیا ہے۔(مولانا اشرف علی صاحب)

الغرض میں نے اُن کو رہنے کی جگہ دی اور اُن کی خدمت کرتا رہا۔ وہ چالیس روز زندہ رہے۔ اُس کے بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کی تصانیف کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل کتابیں درج کی جاتی ہیں۔

نام کتاب	زبان	فن	کیفیت
تفسیر فتح العزیز معروف بہ تفسیر عزیزی	فارسی	تفسیر	پورے قرآن پاک کی تفسیر ہے مگر اب تک صرف دو جلدیں ایک از سورہ فاتحہ تا ربع پارہ سیقول اور دوسری جلد از تبارک الذی تا ختم قرآن طبع ہو سکی
تحفہ اثنا عشریہ	فارسی	رد شیعہ	رد شیعہ میں سب سے بہتر اور اصولی کتاب ہے جس کے جواب سے شیعہ طبقہ آج تک قاصر ہے
بستان المحدثین	"	تاریخ	حضرات اکابر محدثین کے مختصر حالات
شرح میزان منطق	عربی	منطق	
عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس	"	تاریخ	خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات نہایت تحقیق کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔
عجالہ نافعہ	فارسی	اصول حدیث	اصول حدیث کے متعلق مختصر اور بہت مفید رسالہ
سر الشہادتین	عربی	تاریخ	حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت اسرار۔ بہترین رسالہ ہے۔
مائتہ مسائل	فارسی	فقہ	رد بدعت میں بہترین کتاب ہے۔

تلامذہ جب کہ حضرت شاہ صاحب کی عمر شریف کے تقریباً تریسٹھ سال درس وتدریس میں صرف ہوئے تو ظاہر ہے کہ تلامذہ کی فہرست کس قدر طویل ہوگی۔ ذیل میں چند تلامذہ کے اسماء درج کئے جاتے ہیں جو اپنے زمانہ میں خاص شہرت کے مالک رہے اور آسمان علم وہدیٰ کے چاند تارے ہو کر چمکے۔

(۱) سیدنا حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب۔ برادر خورد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرالعزیز (۲) سیدنا حضرت شاہ محمد اسحق صاحب مہاجر۔ خلف رشید جناب شیخ محمد افضل صاحب (حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے نواسے ہیں) (۳) جناب مفتی صدرالدین خاں صاحب دہلوی (۴) حضرت شاہ غلام علی صاحب (۵) مولانا مخصوص اللہ صاحب خلف مولانا شاہ رفیع الدین صاحب (۶) حضرت مولانا عبدالحی صاحب (داماد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب) (۷) مولانا رشید الدین خاں صاحب دہلوی (۸) مولانا کریم اللہ صاحب دہلوی۔ (۹) حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہید (۱۰) مولانا میر محبوب علی صاحب (۱۱) مولانا محمد یعقوب صاحب، حضرت شاہ اسحاق کے چھوٹے بھائی (۱۲) مولینا عبدالخالق صاحب دہلوی (۱۳) مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی (۱۴) مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی (امام منطق) (۱۵) مولانا حسن علی صاحب لکھنوی (۱۶) مولانا حسین احمد صاحب ملیح آبادی وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ ورضی عنہم۔ آمین [۱]

سادگی ہندوستان اس زمانہ میں بھی اگرچہ بہترین مصنوعات کا مالک تھا مگر آپ ہمیشہ موٹی دھوتر کا کرتہ اور گاڑھے کا پاجامہ یا تہ بند زیب تن فرماتے تھے۔ کفن کے متعلق بھی اسی کی وصیت فرمائی (حیات ولی ص ۳۴۲ ومقدمہ فتاویٰ عزیزیہ

[۱] حیات ولی ۳۲۶

عام مقبولیت | کمالات اور اخلاق عالیہ کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کو آپ کے ساتھ وہی تعلق تھا جو پروانوں کو شمع کے ساتھ۔ آپ کے ساتھ گہری محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپکے جنازہ کی نماز بچپن مرتبہ پڑھی گئی۔ اور اعلاء کلمۃ الحق کا اندازہ کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ آپ نے وصیت فرمادی تھی کہ بادشاہ جنازہ میں شریک نہ ہو (حیات ولی ص ۳۴۴ ومقدمہ فتاوی عزیزیہ)

سیاسی ماحول اور سیاسی خدمات

چونکہ آپ تقریباً ۱۵ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہو کر خدمت ملت میں مصروف ہو گئے تھے تو گویا آپ کی خدمات کا آغاز ۱۱۷۴ھ یعنی سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی وفات سے دو سال پیشتر سے ہوتا ہے۔ لہذا آپکے ابتدائی زمانہ کا ماحول ۱۱۷۶ھ تک (یعنی برسال وفات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تک)، تو وہی تھا جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے عہد مبارک کے سلسلہ میں مذکور ہوا۔ لیکن اس کے بعد انقلابات زمانہ نے اور بھی زیادہ نازک صورت اختیار کرلی۔

نجف علی خاں مذکور کا تسلط بدستور تھا۔ انگریزوں سے پہلے دوستی تھی پھر مخالفت ہو گئی۔ حتیٰ کہ ۱۸۰۳ء مطابق ۱۲۱۸ھ میں انگریزوں نے الہ آباد سے گزر کر دہلی پر حملہ کیا۔ اور شاہ عالم بادشاہ کو گرفتار کرلیا۔

مگر چونکہ ہنوز (الف) مسلمانوں کی منتشر حکومتیں ہندوستان میں باقی تھیں (ب) نظام حکومت اگرچہ تباہ تھا مگر عام مسلمان تباہ نہ تھے۔ ان میں

دولت، زمینداری اور قوت کے علاوہ خودداری، احساس غیرت اور جوش بحالہ تھا۔ اور بالخصوص پنجاب اور صوبہ سرحد وغیرہ پر افغانوں کی حکومت کا کافی اقتدار تھا۔ دو تین سال پیشتر ہی زمان شاہ دہلی کے قریب تک پہنچ چکا تھا۔ یہ علاقہ ہنوز انگریزی اقتدار سے ناآشنا تھا۔

(ج) انگریزی اقتدار ہنوز رسوخ پذیر نہ ہوا تھا۔ لہذا بادشاہ کو قتل کرنا یا تخت سے بالکل الگ کر دینا عظیم ترین خطرات سے خالی نہ تھا۔ علاوہ ازیں انگریزی ڈپلومیسی کے مخالف تھا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ "اول میٹھی چیزیں کھلا کر بیہوش کر دو اور پھر شکار کرو"۔ بیمار کے قتل کا بار اپنے سر مت لو۔ ہاں علاج کے بہانے اس کو دائم المریض بنا دو۔ وہ خود مر جائے گا۔ چنانچہ جب شاہ عالم انگریزوں کی حراست میں تھا۔ اس سے ایک معاہدہ کیا گیا۔ جس کی رو سے تمام قلمرو کی نظامت کمپنی کے حوالہ ہو گئی۔ اور بادشاہ سلامت کے لئے دہلی شہر۔ قلعہ اور اطراف دہلی تا حدود قطب صاحبؒ کا علاقہ مخصوص کر دیا گیا۔ کمپنی گویا جاگذار قرار دی گئی۔ مگر اس طرح پر کہ "ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم انگریز بہادر کا"۔ ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے خاص خاص رعایتیں معاہدہ میں لازمی قرار دی گئیں۔ مثلاً یہ کہ حکومت کی زبان فارسی رہے گی انگریزی نہ ہو گی۔ ہندوؤں کے مقدمات کا فیصلہ پنڈت کریں گے اور مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ مسلمان قاضی کریں گے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اس کے بعد جہاں پناہ شاہ عالم زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے۔ حتیٰ کہ ۱۸۰۶ء مطابق سنہ ۱۲۲۰ھ میں شاہ عالم کی وفات ہو گئی۔ اور اکبر ثانی

تخت نشیں ہوا۔

جدید بادشاہ کی حکومت پر انگریزی سرکار کی شفقت میں ایک جدید حرکت پیدا ہوئی۔ اور اب نئے جہاں پناہ کو صرف قلعہ دہلی۔ اور حدود شہر تک حکومت کی تکلیف دی گئی۔ باقی تمام ہندوستان کی حکومت کے جھگڑوں قصوں کو یورپین خادمان خلق نے اپنے ذمہ لے کر ظل سبحانی کو آرام فرمانے کا موقع دیدیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

شمال مغربی صوبجات ۱۷۶۱ء کے قریب ہی پنجاب پر احمد شاہ ابدالی کا تسلط ہو گیا تھا لیکن وہ زیادہ عرصہ تک نہ رہا۔ حتیٰ کہ ۱۸۰۰ء میں احمد شاہ کا پوتا زمان شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ وہ یقیناً دہلی تک پہنچتا اور انگریزی اقتدار کی جڑیں اکھاڑ پھینکتا۔ مگر دفعتہً حدود افغانستان پر ایران کی جانب سے بغاوت ہو جانے کے باعث (جس کو انگریزی ڈپلومیسی کی برکت بتایا جاتا ہے) اس کو بہت تیزی کے ساتھ لدھیانہ سے واپس کابل پہنچنا پڑا۔

اس دوا دوی میں وہ رنجیت سنگھ کو پنجاب کا گورنر بنا گیا۔ یہی رنجیت سنگھ ہے جس نے رفتہ رفتہ ۱۸۰۸ء یعنی ۱۲۲۳ھ میں پنجاب، ملتان، کشمیر اور پشاور پر قبضہ کر کے ایک مستقل سکھ حکومت قائم کر لی۔ اور انگریزوں سے مصالحانہ معاہدہ کر لیا۔

غیر سیاسی ماحول وہی امام شاہی فرقہ جس کا ذکر پہلے ہوا۔ دہلی میں ترقی کر رہا تھا۔ اور عین اس زمانہ میں کہ حکومت روز بروز انحطاط پذیر تھی۔ ملک

تباہ ہو رہا تھا۔ مسلمان برباد ہو رہے تھے۔ والیان حکومت شاہزادے اور شاہزادیاں ان مکار بددین اور تباہ کن فقیروں اور صوفیوں پر فریفتہ تھے حتیٰ کہ بروایت ارواح ثلاثہ ان کی جرأت اور گستاخی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ علماء کرام کے پاس آتے اور کہتے۔

"او مسجد کے مینڈھے کچھ دلواؤ۔ ہم رنڈی کے پاس جائیں گے۔ شراب پئیں گے وغیرہ" اور ان شریروں کے شر سے بچنے کے لئے بسا اوقات علماء کو مجبوراً کچھ دینا پڑتا تھا۔

اس سے زیادہ ان خبیث صوفیوں کی خباثت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو ارواح ثلاثہ کے ص۲۵ پر درج ہے۔ مختصر یہ کہ برسر بازار ایک امام شاہی ستر کھولے بیٹھا ہے۔ اور عریاں اندام نہانی کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا ہے (معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد) " اللہ کا الف ہے " مگر اس پر بھی بیہودہ عوام کا مجمع ہے کہ گرداگرد جمع ہے اور ہنس رہا ہے۔

سیدنا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمات جلیلہ

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم   کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اس سے پہلے کہ ہم حضرت موصوف رح کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ کریں۔ اس سوز و اندوہ کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں۔ جس کو ہمارا قلب اس وقت محسوس کیا کرتا ہے جب کہ حضرت موصوف کے متعلق یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ متساہل تھے

یعنی (معاذ اللہ) اعلائے کلمۃ الحق اور ارشاد و اصلاح کے مجاہدات میں سست تھے

راوی ارواح ثلاثہ حضرت امیر شاہ خاں صاحب مرحوم نے بھی اس کا جواب دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس غلط خیال کا باعث مذاق کی غلطی ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا الزام چونکہ تمامتر مسلمانوں کے سر تھوپا گیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں ہی کو زائد سے زائد سزائیں دی گئیں۔

ان عزیز گردنوں، ان بیکس لاشوں کی صحیح تعداد خدا ہی کو معلوم ہے۔ جن کو پھولوں کی سیج کے بجائے پھانسی کے تختوں پر بجرم بغاوت یا بشبہ تمرد لٹکایا گیا۔ یا چونے کی بھٹیاں اور سولی وغیرہ اُن کے حصہ میں آئیں۔ ہندوستان کے طول و عرض میں سینکڑوں کھنڈر ایسے ملیں گے جن کے باشندوں کو وطن مالوف کے گلشن و چمن کے بجائے دشتِ غربت کے خار نصیب ہوئے ہزاروں لاکھوں بچے وہ تھے جن کی ماؤں نے ان کی پیدائش کے وقت ان کے چاند سے مکھڑے پر سونے کے سہروں کے خواب دیکھے تھے۔ لیکن افسوس جب وہ پروان چڑھے تو لاوارث یتیم تھے۔ جن کی جائدادیں لڑکپن میں ضبط کی جا چکی تھیں۔ اب وہ خانماں برباد، مفلس اور قلاش تھے۔ ٹکڑے کے محتاج، فاقوں سے چہرے مرجھائے ہوئے۔ شکم پری کے لیے ہاتھ پھیلائے ہوئے۔

یہ کوئی انوکھی چیز نہ تھی۔ فطرت کا اٹل قانون یہی ہے۔

ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة (قران حکیم)

جب بادشاہ کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اسکو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں اور اسکے با اقتدار اور باعزت باشندوں کو ذلیل کر ڈالتے ہیں

بہر حال اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے دل سفید فام درندوں سے رعب کا نشیمن بن گئے۔ آخر کار مرتا کیا نہ کرتا۔ مجبوراً بے نمک سفیدی کو حسن دلربا قرار دیا گیا۔ اور اس کی مدح و توصیف کے ترانے الاپے جانے لگے۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ دولت برطانیہ کو دولت رحمت کہا جانے لگا۔ (معاذ اللہ) ان ہی سفید اصنام کو، اولوالامر اور ظل اللہ کا خطاب، دیا جانے لگا۔ پیدا ہونے والی نسلوں نے جذبات حریت اور احساس خود اعتمادی و خوہ داری کے بجائے۔ وفاکیشی، وفا شعاری کے وظائف اپنے بزرگوں سے یاد کئے اور ۱۸۵۷ء کی شکست نے برطانیہ کی جس قوت کا سکہ خاص کر مسلمانوں کے قلوب پر بٹھا دیا تھا وہ آئندہ نسلوں کے دل میں کفار مکہ کی بت پرستی سے زیادہ رچ گیا۔ اور حکومت مسلطہ کے سطوت و غلبہ کو لازوال ورنہ کم از کم اپنی طاقتوں سے بہت بالا جان کر مسلمانوں نے سیاست سے علیحدگی ہی کو اپنی نجات و فلاح سمجھ لیا۔

علماء کرام نے اعلان حق اور مجادلۂ باطل کے لئے صرف وہ میدان منتخب کیا جس کے گرداگرد بریلویت، وہابیت، غیر مقلدیت کے مبارزین کا ہجوم تھا۔ اور جس شہسوار نے رد قادیانیت، یا رد آریہ یا رد عیسائیت کی طرف اپنا گھوڑا بڑھایا۔ اس کو بطل اسلام، شیر بیشۂ ملت تصور کیا گیا۔ رہا لفظ حریت تو وہ مذہب سے آزادی اور تمرد کے مرادف خیال کیا گیا۔ یہ باہمی آویزش یا تو حکومت کی اس پالیسی کے ایما پر تھی کہ "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو" ورنہ اس کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ضرور تھی۔

حکومت نے اس میدان کی پاسبانی اپنے ذمہ لی اور ہر فریق کے دل میں جگہ کر لی۔ لامحالہ جن دماغوں کا نشو و نما اس میدان کی فضا میں ہوا تھا ان کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ العزیز متساہل فی الدین نظر آنے لگے۔ خیر ہوئی حضرت شاہ صاحب تک ہی ان کی نظر پہنچی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں کے متعلق اس قسم کے خیالات قائم کرنا حد درجہ گستاخی ہے۔ اور فی الواقع سیاست ملی سے قطعًا ناواقفی کا بین ثبوت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان بزرگان ملت نے اس فریضہ کو گہری دلچسپی کے ساتھ اپنے ذمہ لیا۔ اور پھر بلند آہنگی سے ادا کیا۔ جو اس زمانہ میں سب سے زیادہ دشوار مگر سب سے زیادہ اہم تھا۔ اور اس پر خطر میدان میں اپنی جد و جہد کے گھوڑے دوڑائے۔ جس کے پاس جانا بھی بزدلوں کے نزدیک موت تھا۔

بلاشبہ سیاست کا میدان اہم ترین میدان ہے۔ یہی وہ میدان ہے جس کے ہر قدم پر سینکڑوں کانٹے پابوسی کرتے ہیں۔ جس طرف بھی منہ پھر جائے۔ بادسموم کے تیز و تند جھونکے چہرہ جھلس دیتے ہیں دست بوسی و پابوسی کی عقیدت نوازسنت یہاں حرام ہے۔ راحت و آرام عیش و ترنگ اس لالہ زار میں قطعی ممنوع ہے دست بندی اور پابزنجیری کی رسم یہاں قدیم زمانہ سے جاری ہے۔ پھولوں کے ہار کے بجائے آہنی طوق، برگ گل کی نچھاور کے بجائے کوڑے اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی سنت ہے جو۔ صالحین امت کے ذریعہ سے بار بار دہرائی جاتی رہی۔ اور بعض صحابہ کرام اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رح

امام المحدثین حضرت احمد بن حنبل، شمس الائمہ سرخسی امام حدیث محمد بن اسمٰعیل بخاری وغیرہ وغیرہ ائمہ مجتہدین سے بار بار اس کی تجدید کرائی گئی۔

سنو! اور غور سے سنو! سیاست ہی وہ دشت پر خار ہے۔ جس کے راہرو کا دل ہر سانس پر سرد آہوں کے جھمگٹوں میں پکارتا ہے:

سماب الی غیر بیب ۔ ہی وہ تاریک گھاٹی ہے۔ جس کے چلنے والے کا نہ کوئی رفیق ہوتا ہے نہ مددگا۔ ہاں اگر کوئی ہوتا ہے تو وہ گھاٹی کے سانپ بچھو، ناگ اور اژدھا۔

مگر ہاں اس کے دل کے کان میں اندر ہی اندر ایک پیاری آواز ہر وقت مترنم رہتی ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا الآیہ (ترجمہ) بلاشبہ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پیدا کرنے والا۔ پالنے اور پوسنے والا صرف ایک اللہ ہے نہ حکومت نہ دنیا کی کوئی قہرمانی طاقت)

پھر آزمائش کے وقت اس پر جمے رہے۔ تو رحمت کے فرشتے ان کو بشارت دیتے ہوئے (آسمانوں سے) اترتے ہیں۔ کہ خوف مت کھاؤ غمگین مت ہو، تمہیں جنت کی بشارت دی جاتی ہے۔ ہم ہیں تمہارے مددگار در تمارے دلی موجودہ زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس کے علاوہ تمہیں آخرت میں وہ تمام چیزیں ملیں گی جن کی تمہیں خواہش ہو اور وہ تمام چیزیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (قرآن حکیم)

تبلیغ بے سود ہے اگر سیاسی اقتدار نہ ہو

اس کا باعث یہ ہے کہ دس مولویوں کی کج روی وہ نقصان نہیں پہنچا سکتی جو ایک معمولی حاکم کی غلط کاری

خدا کی قسم اگر مولوی صاحب کے بجائے کبھی تحصیل کے تحصیلدار صاحب ممبر پر بیٹھ کر نماز کی تنبیہہ وتلقین فرمادیں تو آپ اگلے ہی دن صبح کی نماز میں کتنے ہی بزرگوں کو دیکھیں گے جو تحصیلدار کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے آدھی رات سے گھروں سے نکل کر پہنچ جائیں گے۔

افسوس کیا ہو گیا؟ لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں پڑھاتے ہیں۔ تفاسیر کی تعلیم دیتے ہیں۔ قرآن پاک کے احکام لوگوں کو سمجھاتے ہیں مگر کبھی وہ غور نہیں کرتے کہ جب فرعون نے کہا" أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ " میں تمہارا سب سے اونچا پروردگار ہوں" (معاذ اللہ) تو سارا ملک اُس کا پجاری بن گیا۔ ہزاروں خان بہادروں اور سروں کے اونچے اونچے سر دھڑا دھڑ اس کی چوکھٹ پر گرنے لگے۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام نے آیات بینات پیش کیں۔ معجزات دکھلائے۔ سینکڑوں مرتبہ ید بیضا کی کرنیں ڈالیں عصا کے اژدہے سے ڈرایا۔ مگر اور تو کیا خود بنی اسرائیل جو فرعون کے ہاتھوں بدترین مصیبت کا شکار بن رہے تھے سخت ترین بلاؤں میں مبتلا تھے۔ جن سے بھنگی چماروں کا کام لیا جاتا تھا جن کے ننھے ننھے جگر پارے ان کی آنکھوں کے سامنے ذبح کرائے جاتے تھے۔ اور خدا نے چاہا تھا کہ انسانوں کی اس کمزور اور غلام جماعت پر احسان فرمائے۔ مگر وہ بھی ایمان میں رسوخ حاصل نہ کر سکے۔ فرعون کی ایک آواز پر لاکھوں گردنیں سربسجود ہو گئیں۔ جنہوں نے اس کی پرستش کا دم اس وقت تک بھرا جب تک کہ فرعون دریائے نیل

میں فوج سمیت غرق نہ کیا گیا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے خدا پر ایمان لانے کے متعلق بھی یہی اصرار کیا کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ یعنی جب تک خدا کو بے نقاب کھلم کھلا نہ دیکھ لیں گے ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ تم ہی بتاؤ کہ فرعون کے دعوے اور موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ میں کیا فرق تھا۔ کیا یہی فرق نہ تھا کہ فرعون کے پاس حکومت تھی روپیہ تھا، اقتدار تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام کی جانب اگرچہ تقدس کا ہر ایک خزانہ موجود تھا مگر یہ تمام چیزیں نہ تھیں۔

اختصار کی کوشش کے باوجود مضمون بہت طویل ہو گیا۔ اگر مزید طوالت کا خطرہ نہ ہوتا۔ تو تفصیل کے ساتھ یہ بھی بیان کرتا کہ کس طرح غلام فضا میں پرورش پانے والے آڑے وقت پر اذهب انت وربک فقاتلا انا ههنا قاعدون (تم اور تمہارا خدا دونوں جاکر جنگ کر لو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں) کہہ کر جان چرا لیا کرتے ہیں اور آزاد فضا میں بسنے والے کس طرح مصیبت کے خطرناک ترین موقعہ پر نقاتل عن وراءك وخلفك یا رسول اللہ کما نقاتل عن ابنائنا ونسائنا (یا رسول اللہ ہم آپ کے آگے اور پیچھے سے، دائیں اور بائیں سے آپ کی حفاظت کرتے ہوئے اس طرح قربان ہوں گے جیسے بیٹوں اور عورتوں کی حمایت میں جنگ کیا کرتے ہیں) کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ اور تاریخ کے صفحات میں کس طرح شہادت کے سرخ خون سے۔ شہداء مہاجرین، اور انصار کے زریں خطابات ہمیشہ کے لئے کندہ کرا لیتے ہیں اور کس طرح ابدی اور جاودانی

حیات کی مقدس دستاویز رب العرش کے دربار سے حاصل کرتے ہیں اور جب ظلم وستم کے تیغ وسنان سے چور ہوکر ان کے مبارک جسم زمین پر ڈھیر ہوتے ہیں تو کس طرح ان کی مقدس روحیں فزت ورب الکعبہ دیں کامیاب ہوگیا رب کعبہ کی قسم، کہتی ہوئی اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کرتی ہیں وغیرہ وغیرہ)

تم آیۃ کریمہ واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیہا الخ اور حدیث مبارک "الناس علی دین ملوکھم" کو غور سے سمجھو۔

کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ عام طبائع عموماً اقتدار کے تابع ہوتی ہیں۔ حکام اور امراء کی نقل اتاری جاتی ہے ان کی بدچلنی عام طور سے رعایا میں برا مذاق پیدا کردیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جماعت ساری کی ساری تباہی کی مستحق ہوجاتی ہے۔ تو غیرت الٰہی غضب اور قہر کو متحرک کرتی ہے اور آن کی آن میں وہ مخلوق برباد کردی جاتی۔

واللہ اعلم بالصواب۔ یہی سبب ہے کہ جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کو افضل جہاد قرار دیا گیا۔ کیونکہ جہاد کا جو مقصود ہے یہاں مکمل طور پر حاصل ہورہا ہے۔

اچھا فرعون اور بنی اسرائیل کے قصوں کو چھوڑیئے۔ خود ہندوستان دیکھئے یا تو عہد عالمگیر میں بقول الگزنڈر ہاملٹن صرف شہر ٹھٹہ میں چار سو کالج مختلف علوم وفنون کے تھے۔ بقول پروفیسر "ماکس میلز" صرف بنگال میں ۸۰ ہزار دیسی مدارس تھے اور ریونٹ وارڈ کی رپورٹ کے بموجب انڈیا

ڈسٹرکٹ کالجوں سے بھرا ہوا تھا وہاں ہر اکتیس لڑکوں پر اسکول تھا (تعلیمی ہند)
لیکن عہد عالمگیر سے صرف ڈیڑھ سو برس بعد اس ہی ہندوستان کی یہ حالت تھی کہ ہر وہ شخص فاضل مانا جاتا تھا جو گلستاں پڑھ چکا ہو۔

دینداری کا ایک طرف وہ نقشہ تھا کہ سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ دکن کے میدان میں گولوں کے سامنے کھڑے ہو کر خود امام بنتے ہیں اور فوج کو لے کر نماز با جماعت ادا کرتے ہیں

اور یا جب اس کے بیٹوں اور پوتوں کے عہد حکومت میں شاہی محل مشرکانہ اور مسرفانہ رسومات کا مرکز بن جاتا ہے تو عام مذاق یہاں تک تباہ ہو جاتا ہے کہ مکار اور بد دین جعلی صوفی علما سے زنا اور شراب کے لئے پیسے مانگتے ہیں۔ اور بر سر بازار لفظ اللہ کے متعلق معاذ اللہ اس حیا سوز گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں جس کا تذکرہ ہم نے پہلے کیا۔

یہ سب کچھ کیوں ہو گیا؟ اس تباہی اور تنزل کا باعث کیا تھا؟ علماً کے وعظ و پند اب بھی جاری تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ شاہان مغلیہ کے زمانہ کی قوت دار و گیر باقی نہ رہی تھی۔

الحاصل اس طول کلام سے مقصود یہ ہے کہ اصلاح اور فساد کا مدار اعظم نظام حکومت ہے۔ جس کو سیاست سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی اصلاح اگرچہ سب سے زیادہ سخت ہے۔ اور سب سے زیادہ پر خطر اور ہیبتناک، مگر درحقیقت ہر امر بالمعروف، ہر نہی عن المنکر، ہر مجادلہ حسنہ، ہر موعظہ خیر، غرض ہر تلقین، تعلیم وعظ و پند کی روح رواں ہے۔ اسی بات

اکابر امت نے سیاست کے میدان کو اختیار کیا

اب آپ آیئے اور سیدنا و مولانا حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی خدمات کو دیکھئے۔ مگر ہم ناظرین کرام سے نہایت ادب کے ساتھ ایک مختصر تمہیدی مضمون کے پیش کرنے کی اور اجازت چاہتے ہیں۔ جس کا تعلق تاریخ حاضر سے ہے۔ اور جس کے بغیر حضرت شاہ صاحب موصوف کی سیاسی خدمات کا سمجھانا دشوار ہے۔

غور فرمایئے! ترکی حکومت میں عیسائیوں کی کثیر تعداد آباد ہے۔ جب یورپ نے ترکی کو تباہ کرنا چاہا تو سب سے پہلا حربہ جو اس منحوس منصوبہ کے لئے استعمال کیا گیا۔ وہ ان عیسائیوں کا اغوا تھا۔ عیسائیوں نے بارہا کھلم کھلا بغاوت کی لیکن ترکی تلوار زیادہ مضبوط اور تیز تھی۔ ترکی نوجوان زیادہ بہادر اور موت کے زیادہ حریص تھے۔

تو پھر نازک اندامان یورپ کے چشم و ابرو سے ترکی ارکان دولت کو شکار کیا گیا۔ اور ان کی سنہری زلفوں کی زنجیروں میں ترکی شیروں کو جکڑ بند کیا گیا۔

تیسری صورت جو اختیار کی گئی وہ ترکی نوجوانوں کے مذاق کی تبدیلی تھی۔ یعنی مذہبیت کے بجائے نیچریت کو ان کے دلوں میں جاگزیں کیا گیا۔

ان تینوں کوششوں کا نتیجہ یورپ کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا۔ جس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ وہ خود عالم آشکار ہے عیاں را چہ بیاں مگر خدا کی مرضی یہ تھی کہ ترکی قوم ابھی فنا نہ ہو۔ تو اس نے ترکوں کے عزم کو

حالہ باقی رکھا - انور پاشا - اور پھر مصطفےٰ کمال جیسا مدبر اس کو عنایت کر دیا عہ

لیکن مصطفےٰ کمال نے اس کالج میں تعلیم پائی تھی - جس کی تعمیر نیچریت

اور دہریت کی بنیاد پر ہوئی تھی - لہٰذا اس حصہ میں تو وہ خود وارفتہ ہے اور اگر

اس میں وہ صراط مستقیم پر قائم ہوتا تو امت کی زبان اور قلم سے مجدد کا خطاب پاتا -

لیکن یہ کھلی ہوئی چیز ہے کہ بقاء قوم کی جد و جہد میں وہ دنیا کے

کامیاب ترین افراد میں شمار ہوتا ہے - مگر یہ یاد رکھئے کہ بقاء قوم کے مقصد

اعظم کو اس نے مندرجہ ذیل احوال پر استوار کیا اور ان ہی بنیادی اصول پر

آئندہ کے لئے ترکی قومیت کی عمارت کو مستحکم کرنا چاہتا ہے -

(۱) یورپین پریوں سے ازدواجی تعلقات ممنوع -

(۲) دیگر ممالک کی مصنوعات کی خرید و فروخت ممنوع اور اگر ضروری کی جائیں

تو وہ اپنی ملکی مصنوعات کے عوض میں -

(۳) عیسائیوں کے مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں ممنوع

اب سوال یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز

کے آخری عہد میں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے

ابتدائی عہد میں جب کہ مغلیہ سلطنت میں دم باقی تھا مگر شیعوں کے ہاتھوں

میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا - جن کی آئے دن کی نئی نئی غداریاں اور خود غرضیاں سلطنت

عثمانیہ ترکیہ کی طرح سلطنت مغلیہ کو روز بروز تباہ کر رہی تھیں

اور جب کہ شرعی حیثیت سے حکومت کے مقابلہ پر بغاوت اس

عہ یہ مضمون ۱۹۳۶ء میں لکھا گیا تھا - اس زمانہ میں یہ حصہ "استقلال" دیوبند میں بھی شائع ہوا تھا - افسوس آج مصطفےٰ کمال کو خلد اللہ ملکہ کے بجائے رحمۃ اللہ لکھنا پڑتا ہے -

لئے حرام تھی کہ بادشاہ مسلمان تھا۔ اور کھلم کھلا کفر جو شرعی حیثیت سے مسلمان بادشاہ سے بغاوت کو جائز کر دیتا ہی ظہور پذیر نہ ہوا تھا اور کوئی ایسی صورت بھی پیش نظر نہ تھی جس کی بنا پر اطمینان ہو سکتا کہ بغاوت اور انقلاب کسی ایسی حکومت کے قائم کرنے میں کامیاب ہو سکے گا جو اسلامی اصول پر ہو۔ یعنی خلافت راشدہ کے مطابق ہو۔

مختصر یہ کہ جب شرعی حیثیت سے جواز بغاوت کی کوئی صورت نہ تھی اور شیعوں کی چیرہ دستی روز بروز نظام حکومت کو ابتر کر رہی تھی۔ تو ایسی صورت میں اصلاح حکومت کی سب سے زیادہ مفید اور مؤثر صورت کیا ہو سکتی تھی اے کاش اگر یہ اعتماد ہوتا کہ یہ شیعہ وزراء انگریزوں یا دوسری قوموں سے مل کر مفاد ملت کے ساتھ غداری نہ کریں گے تو پھر ایک راستہ یہ بھی تھا کہ سنی اور شیعہ دونوں مل کر انگریزوں سے مقابلہ کرتے۔

مگر مصیبت تو یہ تھی کہ تجربات اس کے برعکس تھے۔ حال ہی میں جب کہ سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کی عمر تقریباً ۱۸ سال ہو گی۔ دیکھ لیا تھا کہ وزیر اعظم حسین علی خاں نے محض اپنے اقتدار جمانے کی خاطر مسلمانوں کے قدیمی دشمن یعنی مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا کر دہلی پر حملہ کیا تھا اور فرخ سیر بادشاہ کو قتل کر دیا تھا۔ اور دکن میں ان ہی مرہٹوں کے لئے چوتھ وغیرہ کے حقوق تسلیم کر لئے تھے جس کو تسلیم کرنا عالمگیر نے اپنی خودداری اور ملی حمیت کے مخالف سمجھا تھا اور جو عرصہ تک باہمی جنگ و جدال کا مبنی بنے رہے تھے۔ حالانکہ اب بھی مرہٹوں کے ان حقوق کے تسلیم

کی ضرورت صرف یہ تھی کہ بادشاہ سے بغاوت کے لئے حسن علی خاں کو کچھ رفقاء ہاتھ آجائیں۔

نجف علی خاں جو اس زمانہ میں وزیر تھا انگریزوں کے ساتھ مل کر میر قاسم اور شاہ عالم کو بہار میں شکست دلوا چکا تھا۔ اور آسام بنگال۔ بہار تا الہ آباد یعنی ہندوستان کا نصف سے زیادہ حصہ انگریزوں کے حوالہ کر چکا تھا۔ علاوہ ازیں اس قسم کے بہت سے واقعات شیعہ وزرا کی خود غرضی، بوالہوسی، وجاہت پسندی کے لئے روشن دلائل ہیں جن کو بیان کرنا بہت ہی طوالت کا باعث ہو گا۔

اب اس ہیچی اور تاریخی تمہید کے بعد حضرت سیدنا مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تساہل کا الزام لگانے والوں سے ہمارا خطاب ہے کہ آنکھیں کھولو اور حضرت شاہ صاحب رح کے مشکل ترین مجاہدات پر نظر غائر ڈالو۔

(۱) شیعہ خیالات کے قلع قمع کے لئے وہ جامع اور مبسوط کتاب لکھی جس کا نام تحفہ اثنا عشریہ ہی اور جس کا جواب آج تک شیعہ نہیں دے سکے۔

(۲) ازدواجی تعلقات کو ممنوع قرار دیا۔ اور اس طرح شیعہ طبقہ سے مقاطعہ (سوشل) بائیکاٹ کی تحریک کی۔

اے کاش مصطفےٰ کمال کی طاقت حضرت شاہ صاحبان رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس بھی ہوتی تو شیعہ سنیوں کو قطعاً خلاف قانون قرار دیکر اسلامی حکومت کو زہریلے جراثیم سے پاک صاف کر دیتے مگر افسوس وزارت غالب رہی اور اس نے حضرت شاہ صاحب ہی کو دہلی سے مع اہل وعیال جلاوطن کر دیا۔

اچھا معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری سزا اور تعذیب کے قصہ کو ہم ارواح ثلاثہ کے الفاظ ہی میں پیش کریں۔ جس کا ایک ٹکڑا پہلے بھی گزر چکا ہے۔

اس زمانہ میں ایک تو روافض کا نہایت غلبہ تھا۔ چنانچہ دہلی میں نجف علی خاں کا تسلط تھا۔ جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اتروا کر ہاتھ بیکار کر دئے تھے۔ تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون تحریر نہ کرسکیں اور مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کرا دیا تھا اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کو اپنی قلمرو سے نکالدیا تھا۔ اور یہ دونوں صاحب مع مستورات کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے۔ اس کے .... بعد مولانا فخر الدین صاحب کی سعی سے مستورات کو تو سواری مل گئی تھی۔ اور وہ پھلت (ضلع مظفر نگر) روانہ ہو گئے تھے۔ مگر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز صاحب کو سواری بھی نہ ملی تھی۔ اور شاہ رفیع الدین صاحب تو پیدل لکھنؤ چلے گئے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب پیدل جونپور چلے گئے تھے۔ کیونکہ ان دونوں کو نہ سوار ہونے کا حکم تھا اور نہ ساتھ رہنے کا۔

اور دو دفعہ روافض نے شاہ صاحب کو زہر دیا تھا۔ اور ایک مرتبہ چھپکلی کا ابٹن ملوا دیا تھا۔ جس سے شاہ صاحب کو برص اور جذام ہو گیا تھا۔ اور جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لو بھی لگی تھی جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہو گئی تھی۔ جس سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی اور ہمیشہ سخت بیچین رہتے تھے الخ (ارواح ثلاثہ صـ۲۲)

اس عبارت کو غور سے پڑھئے اور خیال فرمایئے کہ حضرت شاہ صاحب

موصوف کی عمر اس وقت تک صرف ۱۷ یا ۱۸ سال تھی کہ

(۱) آپ کی بینائی کمزور ہوگئی

(۲) آنکھوں میں ہمیشہ کے لئے ایک مرض پیدا ہوگیا

(۳) جسم میں حرارت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

(۴) جذام کا اثر پیدا ہوگیا۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن اس کے باوجود فتاوی عزیزیہ کو اٹھائیے اور تلاش کیجئے کہ اس برسر اقتدار وزارت اور حکومت کی مالک جماعت کے مقابلہ پر آپ کے فتاوی میں ہر جگہ لب و لہجہ کس قدر سخت ہے۔ نرمی اور خوف کا کہیں نام و نشان نہیں۔

اور پھر یہ بھی غور کیجئے کہ شیعہ فرقہ کے متعلق اس قدر فتاوی کیا دوسرے علما کے فتاوے میں بھی آپ کو مل سکتے ہیں؟

آج اگر حکومت متسلطہ کے برخلاف فتوی طلب کیا جائے تو حضرت شاہ صاحب ممدوح پر تساہل کا الزام لگانے والے سوچیں کہ اُن کی ہمت و جرأت کا کیا حشر ہوگا۔

سیدنا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز

کی دوسری سیاسی خدمت

جس چیز کا خطرہ جنگ پلاسی واقعہ ۱۱۷۰ھ ہجری مطابق ۱۷۵۷ء سے پیدا ہوگیا تھا۔ آخر کار وہ سامنے آیا۔ یعنی جب انگریزوں نے بنگال

اور بہار سے گزر کر رفتہ رفتہ الہ آباد تک اپنے قدم خوب جمالئے۔ تو دہلی کے وزیر نجف علی خاں کی دوستی کو بھی خیرباد کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کا حملہ دہلی پر ہوا۔ بادشاہ شاہ عالم کو گرفتار کرلیا گیا۔

لیکن عام مسلمانوں میں ہنوز احساس خودداری ضرور باقی تھا۔ ان کی قوت بحال تھی۔ سپہ گری سے ہر ایک شخص کچھ نہ کچھ ضرور واقف تھا۔ البتہ شاہی جنگوں کو وہ موجودہ زمانہ کے الیکشن سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ یہی باعث تھا کہ آئے دن شاہی لڑائیاں بھی ہوتی رہتی تھیں اور پھر بھی ہندوستان کی خوشحالی اور اس کے نظام میں کچھ فرق نہ آتا تھا کیونکہ امن وامان کا مدار شاہی پولیس سے زیادہ اپنی قوت پر تھا۔ نظام حکومت ہی کچھ اس قسم کا تھا جس کی رو سے ہر ایک ضلع گویا مستقل خود مختار ریاست ہوتا تھا۔ مقدمات کا فیصلہ پنچایتوں کے ذریعہ سے ہوا کرتا تھا۔ جو ان کے مزاج کے عین مطابق تھا۔ اور بالکل مفت نہ کوئی کورٹ فیس نہ کسی قسم کا محنتانہ تھا۔

لیکن باایں ہمہ انگریز ایسا بیوقوف بالتنا ہا اور نہ تھا کہ بادشاہ کو قتل کرکے خواہ مخواہ ہندوستانیوں کو چونکا دیتا اور اس کا یہ خطرہ بجا تھا کہ بادشاہ کے قتل پر اگر ہیجان پیدا ہوگیا تو انگریز کا ہندوستان بھر میں نام ونشان باقی نہ رہے گا۔ لہذا اولاً اس نے بادشاہ کو محصور کرکے اس سے ایک معاہدہ کرلیا جس کی رو سے تاج دہلی کے اقتدار کو اگرچہ تسلیم کیا گیا۔ مگر اس کی قلمرو کو بہت زیادہ محدود کرکے باقی تمام ملک کا نظم ونسق بطور ٹھیکہ اپنے ذمہ لے لیا۔

ایک معاہدہ عام ہندوستانیوں کے لئے تھا۔ کہ حکومت کی زبان فارسی رہے گی اور مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ ان کے قاضی اور ہندوؤں کے مقدمات فیصلہ ان کے پنڈت کیا کریں گے۔ بہرحال اس معاہدہ کے خوشنما الفاظ نے سادہ لوح مسلمانوں کو مطمئن کر دیا کہ وہ انگریز سے نفرت ہرگز نہ کریں۔ بلکہ وہ اپنی غفلت کی نیند میں اور دراز ہو جائیں۔ تاکہ انگریز کو پورا پورا تسلط حاصل کر لینے کا موقع آسانی سے مل جائے۔

یہی زمانہ تھا کہ جب انگریز اپنے قانون کی منادی ان مضحکہ انگیز الفاظ میں کرا کر ہندوستانیوں کو الو بنایا کرتا تھا۔ کہ

"ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا۔" الخ

بہرحال انگریز اپنی ڈپلومیسی میں کامیاب ہو گیا۔ مسلمان آج تک اس معاہدہ کو نہیں بھولے۔ جیسا کہ انگریز نے کبھی اس کو یاد نہیں رکھا۔ بہرحال انگریز نے اپنا ایمان کھو دیا۔ خدا کا شکر ہم تو اپنے عہد میں وفادار ہیں (استغفراللہ)

مگر اے کاش ۱۳۲ برس بعد یعنی ۱۹۳۶ء کی موجودہ نسلیں غور کریں۔ کہ جس بزرگ کو وہ اپنا مایہ ناز پیشوا مانتی ہیں۔ اس سیاسی استاذ اور شریعت کے بہترین ماہر نے اس زمانہ میں بھی کیا فتویٰ دیا تھا۔ جب کہ ملک بادشاہ کا تھا اور جب کہ مسلمان موجودہ زمانہ کے تنزل سے ہزار درجہ اونچا تھا۔

مجھے ضرورت نہیں کہ اس طویل اور مدلل فتوی کو یہاں نقل کر کے مزید طوالت پیدا کروں اور پھر بھی ممکن ہے تحریف سمجھی جائے۔ فتاوی عزیزیہ ہر جگہ مل سکتا ہے۔ کتاب مذکور مطبوعہ مجتبائی جلد اول کے صفحہ ۱۷ پر فتوائے

موجود ہے (ہر شخص مطالعہ کرسکتا ہی)

ہمیں تو اس موقع پر یہ عرض کرنا ہے۔ کہ خدمت اسلام کی شان بالا یہ ہے کہ ساٹھ سالہ بزرگ جو بصارت سے معذور، جذام جیسے امراض میں مبتلا۔ پریشانیوں میں گھرا ہوا وہ کس جرأت و دلیری کے ساتھ ہندوستان کو دارالحرب قرار دے رہا ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ،

کہاں ہے تساہل فی الدین کا الزام لگانے والا۔ اس جرأت کو دیکھے اور پھر اپنے گریبان میں منہ ڈالے۔

طرفہ یہ کہ سماسیات میں شدت و حدت کا غلبہ آخر تک رہا۔ حتیٰ کہ وفات کے وقت وصیت فرمادی تھی کہ بادشاہ کو شرکت جنازہ کی دعوت نہ دی جائے۔

حضرت شاہ صاحب اور اقتصادی خدمات

اس عنوان کے ماتحت ہمیں چند چیزیں عرض کرنی ہیں۔

(الف) پہلے زمانہ میں ملک گیری اور فتوحات سے بادشاہوں کا مقصود کسی قوم کو لوٹ کر اپنی قوم کو سرمایہ دار بنانا نہ ہوتا تھا۔ بلکہ قلمرو کی توسیع مقصود ہوتی تھی۔ لیکن یورپ کی ترقی کے ساتھ فتوحات کا نظریہ بدل گیا۔ یوروپین اقوام نے فتوحات کا مقصد صرف اپنی قوم اور اپنی نسل کی اقتصادی بہبودی اور تجارتی ترقی قرار دیا

اس نظریہ کے ماتحت انگریز ہندوستان میں خونچہ لیکر آیا۔ اس نے فوجی چھاؤنی سے پہلے ہندوستان میں تجارتی کوٹھیاں قائم کیں اس کو ہندوستان کے طول و عرض نے ہندوستان کا حریص نہیں بنایا۔ بلکہ اس کی حرص وطمع کا باعث صرف ہندوستان کا سونا تھا۔

(ب) آج ہندوستان بیشک صنعت وحرفت کے لحاظ سے دنیا کے پست ترین ممالک میں ہے۔ یہاں تاجر اور صناع صرف ۲۵ فیصدی ہیں۔ باقی کاشتکار، نوکر یا فاقہ مست بے روزگار۔

لیکن اب سے صرف ڈیرھ صدی پیشتر یہ تجارتی اور صنعتی ملک تھا یہاں ۷۰ فیصدی صناع اور تاجر رہتے تھے۔ صرف ۳۰ فیصدی کاشتکار اور ملازم تھے۔ بے روزگاری اور فاقہ مستی کے نام سے بھی ہندوستان کے کان آشنا نہ ہوئے تھے۔ لوہا، لکڑی، پارچہ بافی کی صنعت ہندوستان کا مخصوص حصہ تھی۔ ہزاروں برس پیشتر سے اس کے تجارتی تعلقات دیگر ممالک سے وابستہ تھے۔

عرب کے لوگ ہندوستان کی بنی ہوئی تلوار کی قدر کرتے تھے کہ انہوں نے اسی مناسبت سے ہر تیز تلوار کو سیف ہندی کہنا شروع کر دیا تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ لفظ ہند سے انہوں نے تھنید ماخوذ کر لیا تھا۔ جس کے معنے تھے تیز کرنا۔ سیف مہند" تیز تلوار یا ہندی ساخت کی بنی ہوئی تلوار کو کہا جاتا تھا۔ یہاں ایسے کارخانے بہت سے تھے جن میں سیکڑوں گز لمبی اور ہزاروں من وزن کی لوہے کی لاٹھ یا گاٹر ڈھالی جاتی تھی جن

کی نظیر پر اب سے ستر برس پیشتر تک یورپ کی مشینیں قادر نہ تھیں۔ جہاز سازی کی صنعت ہندوستان کا مخصوص حصہ تھی۔

ہندوستان کی پارچہ بافی دنیا میں بےنظیر تھی، کشمیر کی شال، ڈھاکہ کی ململ اور دیگر مقامات کی چھینٹیں اور دیگر بیش بہا کپڑے، وہ مخصوص صنعتی جواہر تھے جن کی تمام دنیا میں قدر کی جاتی تھی۔ اور جن کے ذریعہ سے ہندوستان تمام دنیا سے سونا وصول کرتا تھا۔

سرمایہ داری اور تجارت کی یہ حالت تھی کہ گجرات کے صرف ایک سیٹھ عبدالغفور کا تجارتی سرمایہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام سرمایہ سے زائد تھا بہت سے تاجر وہ تھے جن کے مستقل جہاز چلتے تھے۔ ہمیں افسوس ہے کہ یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس لئے ہم تفصیلی دلائل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

انگریز ہندوستان میں آیا تو اس کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ وہ ہندوستان کی صنعت کو تباہ کرے۔ اس کی نکاسی بند کرے۔ اور اس کو یورپ کی منڈی بنائے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کی صنعت کو تباہ کرنے کے لئے اولاً ہندوستان کے صناعوں کا خود آڑتی بن گئی۔ جب ایک طرف اس کو رفتہ رفتہ حکومت حاصل ہوتی رہی اور دوسری طرف ہندوستانی صناع صرف اسی کے محتاج ہو گئے۔ تو اس نے چیزوں کی قیمت گھٹانی شروع کی جس سے غریب کاریگروں کو اپنی معمولی مزدوری ملنی بھی مشکل ہو گئی۔ حکومت

ان پر کام کرنے کے لئے جبر کرتی تھی اور محنت وہ دیتی تھی جو ان کی لاگت سے بھی کم ہوتی تھی اور جب وہ اس پر راضی نہ ہوتے تھے تو کمپنی کے گماشتے اس جبیز کی محنت ان کی کمر سے باندھ کر ان کو مار مار کر مجبور کرتے تھے کہ وہ اس محنت کو لیں۔ ایک عجیب وغریب خرید کا نتیجہ یہ ہوا کہ پارچہ بافوں نے اپنے انگوٹھے کاٹ کاٹ کر خود کو صنعت سے محروم کر لیا۔ تاکہ اس ظلم وتشدد سے ان کو نجات ملے۔

ہندوستانی مصنوعات کی نکاسی بند کرنے کے لئے اس پر بھاری ٹیکس مقرر کیا گیا۔ مثلاً اولاً سو روپیہ کے مال پر دس روپیہ ٹیکس پھر ۲۰ روپیہ پھر ۳۰ روپیہ۔ پھر سو کے مال پر سو روپیہ ٹیکس۔ پھر پانسو روپیہ ٹیکس پھر سو روپیہ کے مال پر ایک ہزار روپیہ ٹیکس وصول کیا گیا

لیکن جب کہ یورپ کی شاہزادیوں نے ہندوستان کے پر تکلف کپڑوں کو اس قیمت پر بھی خرید نا گوارا کیا تو بالآخر قانونی ممانعت سے ہندوستان کی صنعت کو تباہ کیا ؎

عین اس زمانہ میں جب کہ ہندوستانی مصنوعات کی نکاسی پر بھاری ٹیکس روز افزوں کئے جا رہے تھے، یورپ کے مال پر ٹیکسوں میں تخفیف کی جا رہی تھی۔ رفتہ رفتہ ہندوستانی صنعت تباہ وبرباد ہو گئی اور ہندوستان یورپ کے لئے بہترین منڈی بن گیا۔

خدا کی قدرت وہ ہندوستانی جو اپنی صنعت کے ذریعہ سے تمام دنیا

؎ حکومت خود اختیاری ۱۲

سے برضا و رغبت سونا وصول کیا کرتا تھا وہ اربوں روپیہ کا سونا دیگر ممالک کو ہر سال بھیجنے لگا۔ اس انقلاب کا اثر یہ ہوا کہ آج ایک ہندوستانی کی آمدنی کا اوسط ۱؍ یومیہ ہے۔ جب کہ انگلستان کے بسنے والوں کی آمدنی کا اوسطاً کس صہ؍ یومیہ ہے۔

الحاصل چونکہ حکومت انگریزی کا مدار صرف اس کی تجارت پر ہی لہذا ہندوستان کے حریت نواز مدبرین نے ملکی مصنوعات کی ترویج کو وقت کا اہم ترین فریضہ قرار دیا۔

اب اس تمہید کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے لباس مبارک پر ایک نظر ڈالیے۔ بقول تمہید نویس فتاوے عزیزیہ "آپ کا لباس گاڑھا اور دھوتر کا ہوتا تھا"[1]

بیشک میرے پاس اس دعوے کی دلیل نہیں کہ سودیشی کے متعلق جو نظریہ آج ہے وہی نظریہ حضرت شاہ صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تھا۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ آپ کا یہ طرز عمل دیسی مصنوعات کے لئے انتہا درجہ ہمت افزا ہے۔ اور سودیشی۔ حامی حضرات کے لئے عملی دلیل ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تعاونوا علی البر والتقوی و لا تعاونوا علی الاثم والعدوان پر اس جگہ عمل نہ ہو یا اپنے وطن کے غریب پارچہ بافوں کی امداد (جو عموماً مسلمان ہیں) گناہ ہے اور یا مانچسٹر کے سفید فام پارچہ باف، جنت کے حور و غلمان ہیں؟

[1] ایضاً حیات ولی صفحہ ۳۴۹ ۳۵۱

وفات مصنف "حیات ولی" تحریر فرماتے ہیں:-

آپ نے حاضرین کو وصیت کی کہ میری تجہیز وتکفین میں زیادہ اہتمام نہ کیا جائے بلکہ جس قسم کے کپڑے حالت زندگی میں میری تن پوشی کیا کرتے تھے اُن ہی سے مجھے کفنایا جائے۔ البتہ غسل کے وقت اس بات کی مزید احتیاط کی جائے کہ ارکان غسل میں سے کوئی رکن ترک نہ ہو۔ تجہیز وتکفین کے بعد جنازہ وقار کے ساتھ لے چلیں اور شہر کے باہر صحرا میں نماز جنازہ ادا کریں۔ سلطان وقت کو میرے جنازہ کی شمولیت اور شرکت نماز میں مدعو نہ کیا جائے۔ زاں بعد آپ ذکر واذکار میں مشغول ہو گئے۔ اور اسی حالت میں آپ کی روح جسم عنصری سے پرواز کر گئی۔ جس وقت روح نے جسم سے مفارقت کی آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔

توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین۔

شاہ صاحب کے انتقال کے بعد گھر والوں نے آپ کی وصیت کے مطابق تجہیز وتکفین کی۔ چونکہ آپ حالت زندگی میں ہمیشہ موٹی دھوتر کا کرتہ اور گاڑھے کا پاجامہ یا تہ بند زیب تن کرتے تھے۔ لہٰذا آپ کی تکفین اسی قسم کے کپڑوں سے کی گئی۔ جب کفنا کر فارغ ہوئے تو شہر سے باہر نکل کر نماز جنازہ ادا کی۔ لوگ جوق جوق آتے اور نماز پڑھتے کہتے ہیں کہ پچپن مرتبہ آپ کے جنازہ کی نماز پڑھی گئی [۱]

[۱] حیات ولی صفحہ ۳۴۴ اور فتاوی عزیزیہ کی تمہید میں بھی یہی مضمون ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے وصیت کردی تھی کہ بادشاہ جنازہ میں شریک نہ ہو۔

تاریخ وفات ۱۷ شوال ۱۲۳۹ھ بوقت صبح[۱]

قطعات تاریخ بہت کچھ لکھے گئے ہیں۔ حکیم مومن خاں کا قطعہ تاریخ نہایت لطیف ہے۔

دستِ بیدادِ اجل سے بے سروپا ہوگئے

فقر و دیں فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

۱۲۳۹ھ

اولاد تین عفت مآب صاحبزادیوں کے سوا آپ کے اولاد ذکور نہ تھی۔ اور صاحبزادیاں بھی صاحب اولاد ہو کر آپ کی حیات ہی میں رحلت کر گئیں۔

سب سے بڑی صاحب زادی حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کے صاحبزادے مولانا عیسےٰ صاحب سے منسوب ہوئی تھیں۔

مجھلی صاحبزادی جناب شیخ محمد افضل صاحب سے منسوب ہوئی تھیں۔ جن سے حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مہاجر پیدا ہوئے (جن کا ذکر آئندہ آنے والا ہے انشاء اللہ)

تیسری صاحبزادی حضرت مولانا عبد الحی صاحب کے عقد نکاح

---

[۱] حیات ولی کے مصنف نے سنہ وفات ۱۲۴۸ بیان کیا ہے جو سراسر غلط ہے۔ جو قطعات تاریخ مصنف نے بیان کئے ہیں ان سے ۱۲۳۹ ہی ثابت ہوتا ہے یہی دوسرے حضرات نے بھی لکھا ہے ۱۲

ہیں تھیں جو ایک فاضل اجل اور نہایت شریف و خلیق تھے اور جناب سید احمد صاحب کی معیت میں ایک عرصہ تک کوہستان اور اسکے اطراف میں رہے

هذا ما تيسر لی من سيرة سيدنا الشاه عبدالعزيز قدس سره العزيز۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على فصى الرساله و خاتم الانبياء والمرسلين وعلى اله واصحابه اجمعين۔

محمد میاں عفی عنہ

اگر ان کی زیادہ تعداد دستکار یا ملازمت پیشہ ہو۔ اور ناکافی تعداد کاشت اور مویشی کی پرورش وغیرہ کا کام کرے تو دنیاوی لحاظ سے اُن سبکی حالت خراب ہوجائیگی۔ اور اگر مثلاً شراب کشی یا مورتیاں بنانے کو ذریعہ معاش بنالیا جائے تو لوگوں کو لازمی طور پر اسکی ترغیب بھی ہوگی کہ وہ اپنے مذاق اور قاعدہ کے بموجب ان کا استعمال کریں۔ جس کا نتیجہ دینی اور اخروی تباہی ہوگا۔

اور اگر مناسب طور سے صنعتوں اور پیشوں کی تقسیم ہو اور اُن کیلئے مناسب تعداد سے آدمی مقرر کئے جائیں۔ اور قبیح اور مہلک ذرائع معاش پر پابندیاں لازم کردی جائیں۔ تو سب کی حالت درست رہے گی۔

(۱۰) یہ چیز بھی مدنیت کو برباد کردیتی ہے کہ بڑے لوگ نفیس قسم کے زیورات۔ اعلیٰ درجہ کے لباس۔ اعلیٰ قسم کے مکانات۔ بہترین خوراک اور حسینوں اور نازنینوں وغیرہ وغیرہ کے دلدادہ ہوجائیں۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عام آدمی طبعی اور فطری چیزوں میں تصرفات کرکے اُنہیں چیزوں سے کمائی شروع کردیں گے۔ جن سے ان بڑے لوگوں کی خواہشات پوری ہوں۔ مثلاً لڑکیوں کو گانا۔ ناچنا۔ سکھایا جائے گا۔ کپڑے ویسے ہی بنائے جائیں گے جو اُن کی مسرفانہ خواہش کے مطابق ہوں۔ زیورات اور اعلیٰ مکانات پر اور اُن کی نفاست اور خوبصورتی پر روپیہ صرف کیا جائیگا۔

پھر جب ایک بڑی جماعت اس قسم کے ذرائع معاش اختیار کریگی

تو لامحالہ کاشت وغیرہ یعنی عام ضرورت کے ذرائع معاش اسی نسبت سے کم ہو جائیں گے۔ اور جب شہر کے اُمرا اور صاحب دولت اس قسم کی خواہشات پر صرف کرینگے تو اسی نسبت سے شہر کی دوسری ضرورتوں کو نظر انداز کر دینگے جو لامحالہ اُن کے لئے بہت زیادہ نقصان دہ ہوگا۔ جو ان عام ضرورتوں کی چیزیں تیار کیا کرتے تھے [۱] ظاہر ہے کہ انسانی آبادی کے لئے اس قسم کی خواہشات کسقدر تباہ کن ہوں گی۔

اور پھر جب اس قسم کی مزخرفات کی طرف توجہات منصرف ہو جائیگی تو ظاہر ہے کہ اخروی کمالات کے حاصل کرنیکا شوق بھی ناپید ہو جائے گا۔

اس قسم کے تکلفات اور مزخرفات کا مرض عجمی شہروں میں عام تھا۔ تو خداوندی الہام کے بموجب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن تمام چیزوں منع فرما دیا۔ جن سے اس قسم کی خرابیوں کے پیدا ہونے کا غالب احتمال تھا۔ چنانچہ گانے ناچنے والی پابندیاں۔ ریشمی لباس سونے کو سونے یا چاندی کو چاندی [۲] کے عوض میں کمی اور بیشی سے بیچنا وغیرہ وغیرہ حرام فرمایا گیا۔

---

[۱] ہندوستان کے عام افلاس پر نظر ڈال کر آپ غور فرمائیے کہ کیا ملوں کی بنی ہوئی اعلیٰ درجہ کی چیزیں عام بے روزگاری کا سبب نہیں؟ اور کیا سینما وغیرہ نے ہندوستانیوں کو برباد نہیں کر رکھا (غور فرمائیے)

[۲] سکہ اور شرح تبادلہ کے تمام مہلک نتائج آپ کے سامنے ہیں۔ جن کا واحد سبب اسی اصول کی مخالفت ہے۔ ۱۲ محمد میاں عفی عنہ